تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہنامہ

مفاہیم

کراچی

جون ۲۰۲۲ء

جلد ۲

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

شمارہ ۷

لیتفقھوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

ليتفقهوا في الدين

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

ماہ نامہ مفاہیم کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلی

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسی بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضامین

نعت	عشق کے رنگ میں رنگ جائیں جب افکار	ادیب رائے پوری	۴
اداریہ	حاجیوں سے کچھ باتیں	مدیر	۶
درسِ قرآن	قربانی کی مشروعیت اور فلسفہ	مولانا محمد اقبال	۱۱
درسِ حدیث	نفلی حج	ابنِ عباس	۱۶
مقالات	عشرۂ ذوالحجہ اور عیدالاضحیٰ: فضائل ومسائل (۲)	مفتی اویس پاشا قرنی	۱۹
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱۲)	صوفی جمیل الرحمان عباسی	۲۹
مقالات	سفرنامۂ ترکی (۵)	مولانا حماد احمد ترک	۳۶
مقالات	دارالعلوم دیوبند کی خدمات	مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ	۴۲
یسئلونک	دورانِ حج مکہ میں نمازِ قصر	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۵۰
ادبیات	نظم: مشرق ہار گیا ہے	سلیم احمد	۵۱

ادیب رائے پوری (۱۹۲۸ـ ۲۰۰۴)
معروف نعت گو شاعر

عشق کے رنگ میں رنگ جائیں جب افکار

عشق کے رنگ میں رنگ جائیں جب افکار، تو کھلتے ہیں غلاموں پہ وہ اَسرار کہ رہتے ہیں وہ توصیف وثنائے شہِ ابرار میں ہر لحظہ گہربار
ورنہ وہ سیدِ عالی نسبی، ہاں وہی امی لقبی، ہاشمی و مُطلبی و عربی و قرشی و مدَنی اور کہاں ہم سے گنہ گار

سونگھ لوں خوشبوئے گیسوئے محمد، وہ سیاہ زلف، نہیں جس کے مقابل یہ بنفشہ، یہ سیوتی، یہ چنبیلی، یہ گلِ لالہ و چمپا کا نکھار
جس کی نکہت پہ ہیں قربان، گل و برگ و ثمن، نافہ آہوئے ختن، بادِ چمن، بوئے چمن، نازِ چمن، نورِ چمن، رنگِ چمن، سارا چمن زار

بخش دیتے ہیں شہنشاہ؛ سمرقند و بخارا، کسی محبوب کے رخسار کے تل پر، مگر اے خلق کے رہبر، اے مرے مہرِ منور
میں کروں تجھ پہ تصدق، دمِ عیسی، یدِ بیضا، در و دیوارِ حرم کعبۂ دل، ان سے بڑی کوئی نہیں شے مرے پاس، مری چشم گہربار

ورفعنالک ذکرک کی اس اک آیتِ توصیف کی توصیف میں، تفسیر میں، تشریح میں، توضیح میں، تضمین میں ہر عہد کی شامل ہے زبان
لبِ حسان و رواحہ و لبِ فاطمہ زہرا و علی، عابدِ بیمار و بوصیری، دہَنِ عرفی و جامی لبِ سعدی و رضا سب سرشار

عشق کے رنگ میں رنگ جائیں مہاجر ہو کے پختون و بلوچی ہو کہ پنجابی و سندھی، کسی خطے کی قبیلے کی زباں اس سے نہیں کوئی سرو کار
جامۂ عشق محمد جو پہن لیتا ہے، ہر خار کو وہ پھول بنا لیتا ہے، دنیا کو جھکا لیتا ہے، کرتا ہے زمانے کو محبت کا شکار

ایسا محبوب دیا حق نے تمھیں صل علی، جس کا مماثل نہ مقابل کہ لقب جس کو حریصٌ کا دیا، اتنا کیا جس نے گنہ گاروں سے پیار
اے خدا !اے شہِ کونین کے رب!لفظ حریصٌ کے سبب،ایک ہوں سب،وہ عجمی ہوں کہ عرب، تاکہ ملے امتِ مرحوم کو پھر کھویا وقار

اے ادیب اب یونہی الفاظ کے انبار سے ہم کھیلتے رہ جائیں گے مگر حق ثناگوئی ادا پھر بھی نہ کر پائیں یہ جذبات و زبان و قلم و فکر و خیال
ان کی مدحت تو ملائک کا وظیفہ ہے، صحابہ کا طریقہ ہے عبادت کا سلیقہ ہے یہ خالق کا پسندیدہ ہے قرآن کا ہے اس میں شعار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

* * * * *

مدیر

ماہنامہ مفاہیم، کراچی

حاجیوں سے کچھ باتیں

حج کے مہینے شروع ہو چکے ہیں اور حاجی؛حج کے مبارک سفر کے لیے علمی وفکری اور ''سفری'' تیاریوں میں مصروف ہیں تو﴿خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ ''بہترین زادِراہ تقویٰ ہے'' کے مصداق ہم ''چند حرف'' ان کے ساتھ کیے دیتے ہیں۔ مطلوب اس سے اپنی ہی بہتری ہے کہ حاضری سے تو ہمیں ''پیچھے رکھا'' گیا لیکن وہاں کے تذکرے سے تو ہم باز نہ رہیں گے۔ ہو سکتا ہے اس بابرکت تذکرے کے صلے میں ہمیں حاضر ہی کر لیا جائے۔حج کے آداب وارکان بہت سارے ہیں۔ احرام کا درویشانہ لباس اور اس کی مجذوبانہ پابندیاں، بیت اللہ اور صفا مروہ کے عاشقانہ پھیرے، عرفہ اور مُزدَلِفہ کی عاجزانہ حاضری اور مِنیٰ کی قربانی اور قیام، تو آداب کے ساتھ ان ارکان کی پابندی کا نام حج ہے۔ ہر رکن ایک ظاہری صورت رکھتا ہے جس کو برقرار رکھنا یقیناً ضروری ہے۔ لیکن ان ارکانِ ظاہری کا ایک باطن، ایک ''روحِ بلالی'' بھی ہے کہ جس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ارکانِ حج کی روح؛رب تعالیٰ سے تعلق و محبت اور اس کا شعور ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ حج کا حاصل شعائراللہ کا احترام ہے جو اصل میں تقویٰ کی ایک عملی مشق ہے:﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾(الحج:۳۲) ''اور جو کوئی شعائراللہ کی تعظیم کرے تو پس وہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے''۔ شعائر، شعیرہ کی جمع اور شُعور سے مشتق ہے۔ وہ نمایاں علامات جو کسی کی عظمت پہ دلالت کرتی ہوں۔ لیکن شعائر کی تعظیم تو اس کے دل میں ہو گی جو صاحبِ شعائر کی عظمت کا شعور وادراک رکھتا ہو اور شعائر کے پاس آتے جاتے اس عظمت کا دھیان اور اس کی یاد بھی رکھتا ہو۔ اگر رویہ اس کے برعکس غفلت والا ہو تو ایسے کو ''اقبال بھی شانِ کبریا نہیں بتا سکتا''۔!!

تو اللہ کی یاد، اس کی عظمت کا دھیان، اللہ کے خاص بندوں کے مرتبے کا احساس جن کی یادیں شعائرِ حج کے ساتھ جڑی ہیں یہی حج کی روح ہے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کو شعائر اللہ کہا:﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (البقرة:۱۵۸) ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں“ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے انھی صفا و مروہ اور دیگر شعائر کو اللہ کی یاد کے ذرائع قرار دیتے ہوئے فرمایا:«إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ» (سنن ابی داؤد) ”بے شک بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی اور جمرات کی رمی اللہ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں“۔ اس حدیث کی تشریح میں ملا علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”چاہیے کہ ان متبرک مقامات پر اللہ کو یاد کیا جائے اور غفلت سے بچا جائے“۔ تو حج کے ارکان پورے شعور کے ساتھ ادا کیے جائیں۔ ان مقامات کے تقدس اور ان مقامات کو شرف بخشنے والی ذات باری تعالیٰ کی عظمت اور ان شعائر کو علمی و عملی طور پر بیان کرنے والے، رسول خدا ﷺ اور ان کی سنتِ شریفہ کے مرتبے و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے مناسک ادا کیے جائیں گے تو حج کی کامل روحانی برکات حاصل ہوں گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اعمالِ حج کے ساتھ ”ذکر اللہ“ کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے حالانکہ اللہ کی یاد تمام ہی عبادات میں مطلوب ہے۔ شارحین نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا چوں کہ یہ اعمال بظاہر عبادت نہیں دکھتے (کیوں کہ ان میں ادھر ادھر دیکھنے، کھانے پینے یا بات کرنے کی اجازت ہے) لہذا ان اعمال میں اللہ کو یاد رکھنے کی اضافی تلقین کی گئی تاکہ ان میں زبانی عبادت یعنی ذکر کی آمیزش ہو جائے اور وہ ذکر ان ارکان کا ایک نمایاں تعبدی وصف اور روح بلکہ وہ ان اعمال کا شعار قرار پائے۔ (الفتح الربانی)

اعمالِ حج کے دوران ”دھیان گیان“ کی تلقینِ غزالی، آج کے دور میں اس لیے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی عظمت سے غافل کرنے والی ”بہلاوے کی چیزیں“ ”لَهْوُ الْحَدِيث کی بھرمار ہوگئی ہے۔ موبائل فون پر تصاویر اور ویڈیو بنانا پھر واٹس ایپ یا فیس بک پر نشر کرنا اور اس سے بڑھ کر عین کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر آن لائن یا لائیو جا کر دعا کرنا ”قبلے کو حدِ ادرک سے بالکل اوجھل کر کے قبلہ نما بنا دیتا ہے“۔ کہاں وہ حکم کہ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(البقرہ:۱۴۴) ”تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منھ اسی (کعبے) کی طرف پھیر لو“ اور کہاں یہ عالم کہ سامنے بیٹھے ہیں لیکن سامنا نہیں کر پا رہے۔ تو یہ مشینوں کی حکومت کا دور ہے جس کے سبب دلوں کو موت ہے کہ ان آلات نے احساس محبت کو کچل ڈالا ہے۔ پس مشینوں اور آلات کے داخلی جال (انٹرنیٹ) سے بچتے ہوئے حج کریں گے تو مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کا دھیان، اس کی فکر نصیب ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مناسکِ حج کے ذیل میں ذکر اللہ کی بہت تاکید کی گئی ہے:﴿فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ﴾ (البقرہ:۱۹۸) ”پس جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے تمھیں ہدایت کی ہے“۔ اور مناسک کی تکمیل کے بعد بھی اسی کا حکم دیا گیا:﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرہ:۲۰۰) ”پس جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے کبھی اپنے آبا و اجداد کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کا ذکر کرو“ اللہ تعالیٰ کی یاد حاصل ہو جائے اور اس کی عظمت کا دلی احساس ہو جائے تو اس کا ظہور دعا و مناجات اور توبہ و استغفار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے چناں چہ دورانِ حج استغفار کا حکم بھی دیا گیا:﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(البقرہ:۱۹۹)”پھر تم وہاں (پہنچ کر) لوٹو جہاں سے سارے لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو بے شک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“۔ یہی نقشہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ حج میں نظر آتا ہے۔ میدانِ عرفات میں نمازِ عصر سے فارغ ہو کر آپ ﷺ قبلہ رُو ہوئے:«فَأَخَذَ فِي الدُّعَاءِ، وَالتَّضَرُّعِ، وَالِابْتِهَالِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ» (زاد المعاد)”پھر آپ ﷺ دعا، اظہارِ عجز اور آہ و زاری میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا“۔ یومِ عرفہ کی دعا کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ» (سننِ ترمذی)”بہترین دعا یوم عرفہ کی ہے“۔ مزدلفہ میں اول وقت نمازِ فجر پڑھنے کے بعد آپ مشعر الحرام کے پاس آئے:«فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى أَسْفَرَ جِدًّا» (صحیح مسلم)”قبلہ رو ہو کر آپ ﷺ نے اللہ کی جناب میں دعا کی اور تکبیر و تہلیل کرتے رہے یہاں تک کہ صبح خوب

روشن ہوگئی''۔ رمی کرتے وقت آپ ﷺ ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے اور پہلے دو جمرات پر آپ ﷺ قبلہ رو ہو کر طویل دعا فرماتے۔ آپ کی دعا میں سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا، وَذَنْبًا مَغْفُورًا» (مسندِ احمد) ''اے اللہ میرے حج کو حج مبرور و مقبول بنادے اور میرے گناہ معاف فرمادے''۔

بیت اللہ شریف تو ہے ہی مقامِ دعا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل بوقتِ تعمیرِ کعبہ دعا فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرۃ:۱۲۷تا۱۲۹) ''اور اس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرمانبردار بنالے اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھادے اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو اور صرف تو ہی معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے۔ اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انھی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل''۔ (آسان ترجمہ قرآن)

نبی کریم ﷺ جب حرم میں داخل ہوتے اور بیت اللہ شریف آپ کے سامنے آتا تو دعا مانگنے لگتے۔ (سنن ابی داؤد) روایات میں آتا ہے «لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ البَيْتَ، دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا» ''جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے ہر ہر کونے میں کھڑے ہو کر دعا فرمائی''۔ (صحیح بخاری) اگرچہ یہ خانہ کعبہ کے اندر کی بات ہو رہی ہے لیکن اس سے بیت اللہ شریف میں دعا کے اہتمام کی تعلیم ملتی ہے۔ طواف کے دوران بھی دعائیں مانگنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

توآنے والے دنوں میں حاجیوں کے لیے دعاومناجات کے خوب مواقع ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَفْدُ اللهِ ثَلَاثَةٌ: الْغَازِي وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ»(سنن نسائی) ”تین لوگ اللہ کے وفد میں شامل ہیں غازی، حاجی اور معتمر“۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«الْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ، وَإِنِ اسْتَغْفَرُوهُ غَفَرَ لَهُمْ»(سنن ابنِ ماجہ)”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کا وفد ہیں اگروہ اس سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگروہ بخشش مانگیں تو اللہ ان کی مغفرت فرما دیتا ہے“۔

زائرینِ حرم اور ان کی دعاؤں کا رتبہ دیکھیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے، نبی کریم ﷺ سے عمرے پر روانہ ہونے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا:«أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ» ”پیارے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا“۔(سنن ابی داؤد) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا لَقِيتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَصَافِحْهُ، وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ، فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ»(مسندِ احمد)”جب تم حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ہی تمھارے لیے دعاے مغفرت کرے اس لیے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر آیا ہے“۔

صفوان بن عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ اپنی ساس محترمہ، سیدہ ام الدرداء کے پاس آئے تو وہ ان سے پوچھتی ہیں کیا اس سال آپ کا حج کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، تو سیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: «فَادْعُ اللهَ لَنَا بِخَيْرٍ» ”ہمارے لیے اچھی اچھی دعائیں کیا کیجیے گا“۔(صحیح مسلم) ہم اپنے حاجیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال اور اہلِ وطن کے ساتھ ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

* * * * *

مولانا محمد اقبال
رکن شعبہ تحقیق و تصنیف

قربانی کی مشروعیت اور فلسفہ

سورۃ الحج، آیت نمبر: ۳۷-۳۵

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيرٌ، فَاذكُرُوا اسمَ اللّٰهِ عَلَيهَا صَوَآفَّ، فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَ أَطْعِمُوا القَانِعَ وَ المُعْتَرَّ، كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَاؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُم، كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُم لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُم، وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾

”اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔ اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے، اس نے یہ جانور اسی طرح تمھارے تابع بنا دیئے ہیں تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت عطا فرمائی، اور جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انھیں خوشخبری سنا دو“۔

قربانی کی تاریخ

اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نفسِ قربانی کا تصور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے

کسی نہ کسی شکل میں ہر قوم میں موجود رہا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:﴿وَ اتلُ عَلَیھِم نبَأ ابنَی اٰدَمَ بِالحَقِّ إِذ قَرَّبَا قُربَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِھِمَا وَ لَم یُتَقَبَّل مِنَ الاٰخَرِ﴾ (مائدہ:۲۷) ”اور (اے پیغمبر) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی“۔ امام مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اِبنا آدم، هابيل و قابيل، لصلبِ آدم، فقرّب أحدهما شاةً و قرب الآخر بَقْلا، فقبل من صاحب الشاة، فقتله صاحبه.(جامع البيان في تأويل القرآن،ج:۱۰،ص:۲۰۴) ”حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ہابیل اور قابیل، تو ان میں سے ایک نے بکری کی قربانی پیش کی جبکہ دوسرے نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ ترکاری صدقہ کر کے قربانی پیش کی، چنانچہ بکری کی قربانی دینے والے کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے بھائی نے اسے قتل کردیا“۔ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا طریقہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور اس کا تصور پہلے سے تھا، البتہ اس کی ایک خاص پہچان تب بنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اولو العزم صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعے کی یادگار کے طور پر اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔ اس یادگار موقعے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابین جو گفتگو ہوئی ہے، قرآن کریم کی روشنی میں اسے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اپنے بیٹے سے مکالمہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک شام سے وادیٔ بطحا میں تشریف لائے تو اپنے ساتھ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بھی ساتھ لائے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت سارہ علیہا السلام سے نکاح کیا تھا اور ان سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام آپ کے عقد میں آئیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:﴿رَبِّ ھَب لِي مِنَ الصّٰلِحِینَ﴾ ”میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے دے جو نیک

لوگوں میں سے ہو"۔ ﴿فَبَشَّرنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ﴾ "چنانچہ ہم نے انھیں ایک بردبار لڑکے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی خوشخبری دی"۔ ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي المَنَامِ أَنِّي أَذبَحُكَ فَانظُر مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰأَبَتِ افعَل مَا تُؤمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ﴾ "پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو انھوں نے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمھاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔ یہ حکم اگرچہ خواب میں دیا جا رہا تھا، لیکن انبیاے کرام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔ ﴿فَلَمَّا أَسلَمَا وَ تَلَّهُ لِلجَبِينِ﴾ "چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا"۔ چونکہ باپ بیٹے دونوں نے تو اسے اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے یہ طے کیا تھا کہ باپ بیٹے کو ذبح کرے گا، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل لٹایا۔ ﴿وَ نَادَينٰهُ أَن يّٰإِبرٰهِيمُ﴾ "اور ہم نے انھیں آواز دی کہ: اے ابراہیم!"۔ ﴿قَد صَدَّقتَ الرُّءيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجزِي المُحسِنِينَ﴾ "تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں"۔ ﴿إِنَّ هٰذَا لَهُوَ البَلٰٓؤُا المُبِينُ﴾ "یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا"۔ ﴿وَ فَدَينٰهُ بِذِبحٍ عَظِيمٍ﴾ "اور ہم نے ایک عظیم ذبیحے کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا"۔ جب باپ بیٹے دونوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بطور معجزہ انھیں یہ کرشمہ دکھایا کہ اپنی طرف سے ایک مینڈھا بھیجا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے چھری اس پر چلی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ سلامت رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تاریخ کا وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی، کیونکہ باپ کا اپنے لختِ جگر کو قربان کرنا اپنے آپ کو ذبح کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ چنانچہ یہ اتنا بڑا عزم اور صبر والا کام تھا کہ قرآنِ کریم نے اسے ﴿البَلٰٓؤُا المُبِينُ﴾ "یعنی کھلا ہوا امتحان" قرار دیا ہے، اس لیے ایک باپ کا اپنے لختِ جگر کی گردن پر اپنے ہاتھوں سے چھری چلانا کتنا مشکل ہے، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا! اسی

طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر و ضبط بھی مثالی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر خود کو قربان ہونے کے لیے پیش کیا اور آپ کے عزم میں ذرّہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ جذبہ خلیل اور صبرِ ذبیح کا یہ عاشقانہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کرنا ایک خاص عبادت بن گیا اور اس کی یادگار کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی امت کے لیے بھی ہر سال اسی تاریخ کو قربانی کی مشروعیت کا حکم آیا۔ لہٰذا امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں ہر صاحبِ نصاب پر قربانی واجب قرار دی گئی۔ چنانچہ سنتِ ابراہیمی کی پیروی میں حضور اکرم ﷺ کی امت میں جانوروں کی قربانی کا یہ سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

قربانی کی مشروعیت

ہر بالغ صاحبِ نصاب پر عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عِيدًا جَعَلَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيحَةً أُنْثَى، أَفَأُضَحِّي بِهَا؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ، وَتُقَلِّمُ أَظْفَارَكَ، وَتَقُصُّ شَارِبَكَ، وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ، فَذَلِكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ» (سننِ نسائی) ”رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: مجھے قربانی کے دن (دسویں ذی الحجہ) کو عید منانے کا حکم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس امت کے لیے عید کا دن بنایا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: اگر میرے پاس ایک دودھ والی بکری کے سوا کچھ بھی نہ ہو (یعنی اگر میں صاحبِ نصاب نہیں ہوا) تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم (قربانی کے دن) اپنے بال، ناخن کاٹو، اپنی مونچھ تراشو اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرو، تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمھاری قربانی ہے“۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قربانی کے دن اللہ کے نزدیک آدمی کا سب سے محبوب عمل خون بہانا یعنی قربانی کرنا ہے۔ قیامت کے دن قربانی کے جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئیں گے اور یہ کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، اس لیے خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو“۔ (جامع ترمذی) لہٰذا مذکورہ احادیثِ مبارکہ سے

معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا ہر صاحبِ نصاب مومن پر واجب ہے۔

قربانی کا فلسفہ

قربانی کا پیغام بالکل واضح ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے واقعے میں ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اللہ کا حکم ہر تعلق اور ہر رشتے پر مقدم ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس میں ہم اپنے مزاج، عقل اور سماجی تعلقات کو دخل نہ دیں اگر یہ چیزیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی بندگی سے روک دیں، کیونکہ ساری کامیابیوں کا مدار اللہ کے احکام کو ماننے اور دل و جان سے ان پر عمل کرنے پر ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم متوجہ ہو تو ہمیں چاہیے کہ اس میں حکمتیں ڈھونڈنے کے بجائے صدقِ دل سے اس پر عمل کریں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔

* * * * *

ابنِ عباس
معاون قلم کار

نفلی حج

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺفَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، الْحَجُّ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً قَالَ: بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ» (سنن ابی داؤد)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا "یا رسول اللہ کیا حج ہر سال فرض ہے یا زندگی میں ایک بار فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں بلکہ ایک ہی بار فرض ہے لیکن جو کوئی اس پر اضافہ کرے تو وہ نفل ہو گا"۔

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ایک ہی بار حج فرض ہے۔ بعض حضرات اس طرح کی احادیث اور دیگر خارجی حالات سے متاثر ہو کر، تکرارِ حج یعنی نفلی حج کی ڈھکی چھپی نفی اور اعلانیہ تنقیص کرتے ہیں حالاں کہ اسی حدیث میں نفلی حج کی ترغیب بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ فرض حج پر اضافے کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدہ قرار دینے کے بجائے "تطوع" یعنی علاوہ از فرض نیکی قرار دیا۔ تطوع شریعت کی نظر میں پسندیدہ امر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ﴾ (البقرہ: ۱۸۴) "جو اپنی خوشی سے نیکی کرے تو اس کے لیے یہ بہتر ہے"۔ دیگر احادیث میں صراحت سے تکرارِ حج کی ترغیب آئی ہے۔ صحیح روایت میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَالَ: قَالَ الله تعالى: إنّ عَبْداً أَصْحَحْتُ لَهُ جِسْمَهُ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيشَةِ تَمْضِي عَلَيْه

خَمْسَةُ أعْوَامٍ لا يَفِدُ إِلَيَّ لَمَحْرُومٌ» (صحیح ابنِ حبان) ”جس بندے کو میں نے جسمانی صحت سے نوازا ہو اور اس کی معیشت میں وسعت دی ہو اور پانچ سال ایسے گزر جائیں کہ وہ ہمارے گھر کی زیارت کو نہ آئے تو وہ محروم ہے“۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الفقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلاَّ الجَنَّةُ» (سنن ترمذی) ”اوپر تلے حج اور عمرے کیا کرو اس لیے کہ یہ دونوں مفلسی اور گناہ گاری کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کرتی ہے اور نیکی والے حج کا بدلہ تو جنت ہی ہے“۔ الجامع الصغیر کی ایک روایت میں آتا ہے: «أدِيموا الحَجَّ والعُمْرَةَ» ”حج اور عمرے پے در پے کیا کرو“۔ جس طرح اس حدیث کے ابتدائی الفاظ «تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ» تکرارِ حج کی نفی کی رائے کی غلطی واضح کرتے ہیں اسی طرح اس حدیث کے آخری الفاظ بھی جن میں حجِ مبرور کا ثواب جنت کو بتایا گیا ہے اس رائے کی کجی کو واضح کرتے ہیں اس لیے کہ ان الفاظ میں حج عام ہے یعنی فرض اور نفل دونوں کا بدلہ جنت ہے اور جب کسی عمل کا بدلہ جنت ہے تو اس کی تنقیص کرنا جائز نہیں ہے۔
فقہاے کرام اور محدثینِ عظام نے بھی تکرارِ حج والی حدیث کے بارے میں یہی بیان کیا کہ یہ تکرارِ حج کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ علامہ بدر الدین عینی البنایہ شرح الہدایہ میں لکھتے ہیں ”گھر کی زیارت سے مراد حج ہے حدیث تکرارِ حج کے استحباب پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر“۔ امام ملا علی القاری رحمہ اللہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں لکھتے ہیں: ”طاقت رکھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ ہر پانچ سال میں ایک دفعہ حج کرنا ترک نہ کرے“۔ رسول اللہ ﷺ نے حج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: «مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (صحیح بخاری) ”جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور نہ تو کسی بے ہودگی کا مرتکب ہوا اور نہ ہی نافرمانی کا تو وہ اس دن کی طرح واپس آئے گا جس دن اسے ماں نے جنا تھا“۔ ایک دوسری روایت میں ہے: «مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ”جس نے بغیر کسی بے ہودگی اور نافرمانی کے حج کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے“۔ (سنن

ترمذی) یہ فضیلتیں اس قابل ہیں کہ انھیں حاصل کرنے کی جلدی کی جائے۔ خاص طور پر جن لوگوں کو سفرِ حج کے اسباب و وسائل میسر ہیں تو انھیں حج کا انتظام کرنے میں جلدی کرنی چاہیے اور اگر اب اس کا موقع نکل چکا ہے تو اگلے سال کے لیے منصوبہ بندی کر لینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ تَضِلُّ الضَّالَّةُ وَيَمْرَضُ الْمَرِيضُ وَتَكُونُ الْحَاجَةُ» (مسند احمد) ''جو حج پہ جانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ جلدی کرے اس لیے کہ کبھی کوئی گمنے والی چیز گم ہو جاتی ہے (مثلاً سواری وغیرہ) اور کبھی بیمار ہونے والا مبتلائے مرض ہو جاتا ہے اور کبھی اور کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے (تو انسان حج پر جانے سے رہ ہی جاتا ہے)۔

* * * * *

مفتی اویس پاشا قرنی
مدیر فقہ اکیڈمی

عشرۂ ذوالحجہ اور عید الاضحیٰ: فضائل و مسائل (۲)

شرائطِ قربانی

ہر عاقل بالغ مقیم مسلمان پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ سے زائد ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال موجود ہو۔ اب خواہ وہ مال سونا چاندی یا اس کے زیورات یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ کی صورت میں ہو۔[1] ضرورت سے زائد گھریلو سامان سے وہ برتن وغیرہ مراد ہیں جو عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ اگر ایک شخص کا مال غیر ملکی کرنسی کی صورت میں موجود ہے تو اس کا بھی اعتبار ہو گا۔ وجوب کے لیے اعتبار ۱۰ سے ۱۲ تاریخ تک کا ہو گا۔[2] اگر ان ایام میں کسی بھی وقت وہ صاحبِ وسعت تھا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ نیز اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ مزید پلاٹ ہیں یا ضرورت کی سواری سے زائد سواری ہے تو اس پر بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ مالِ تجارت چاہے جس بھی صورت میں ہو اگر اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس کا مالک صاحبِ وسعت قرار پائے گا۔ عوام میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس پر قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے اس مال پر سال کا گزرنا شرط ہے جبکہ قربانی کے وجوب کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیز زکوٰۃ صرف سونا، چاندی، نقدی و مالِ تجارت پر فرض ہوتی ہے جبکہ قربانی کے نصاب میں اور بھی کئی چیزیں شمار ہوتی ہیں، جیسے کہ ماقبل مذکورہ شرائط سے واضح ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض ہے جبکہ قربانی و صدقۃ الفطر صاحبِ وسعت پر واجب ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

اگر کسی شخص پر اصلاً تو قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے قربانی کے ارادے سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس پر قربانی لازم ہو گئی۔ ہاں اگر اس کا یہ جانور گم ہو گیا یا ضائع ہو گیا تو اس پر اب دوسرا جانور خرید کر اسے قربان کرنا واجب نہ ہو گا۔[۳] نیز اگر کوئی شخص خیر میں مزید آگے بڑھنا چاہے تو گھر کے بزرگوں، مرحومین، سلفِ صالحین اور نبی ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کر دے۔ یہ عمل اس قربانی کرنے والے اور جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے دونوں ہی کے لیے اجر کا باعث بن جائے گا۔

قربانی کے جانور

یہ بات درست نہیں ہے کہ جو جانور حلال ہو اس کی قربانی بھی جائز ہو جاتی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے بالاہتمام ان جانوروں کو متعیّن فرما دیا ہے جن کو ذبح کرنے سے واجب قربانی ادا ہوتی ہے۔ کُل چھے جوڑے ہیں جنھیں فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر فرمایا ہے۔ گائے بیل، بھینس بھینسا، اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ اور بھیڑا۔ ان میں سے پہلے چھے میں سات سات جبکہ بقیہ میں ایک ایک حصہ ہوتا ہے۔ اگر بڑے جانور میں سات سے زائد حصے شمار کر لیے جائیں تو کسی ایک حصے میں بھی قربانی درست نہ ہو گی۔ ایک اور شرط فقہا یہ بھی لگاتے ہیں کہ اگر بڑے جانور میں الگ الگ لوگ حصہ ڈال رہے ہوں تو سب ہی کی نیت تقرب کی ہونی چاہیے۔ واجب قربانی، ایصالِ ثواب اور عقیقہ وغیرہ تقرب کے کاموں میں شامل ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کسی بھی شخص نے تجارت یا گوشت ذخیرہ کرنے کی نیت سے حصہ ڈالا تو تمام ہی افراد کی قربانی فاسد ہو جائے گی۔ اصل میں فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ اصول بیان فرماتے ہیں کہ قربانی کا جانور مالِ مشاع ہے۔ یعنی یہ قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی جانور میں چار حصے تو تقرب کے واسطے ہوں اور بقیہ تجارت کی خاطر۔ اگر ایسا کیا تو وہ چار حصے بھی غیر معتبر قرار پائیں گے۔ اسی بات سے ایک اور مسئلہ نکلتا ہے: اور وہ یہ کہ اگر اجتماعی قربانی میں تساہل برتا جائے اور کوئی ایک فرد بھی اپنی حرام آمدن میں سے کسی جانور میں حصہ ڈال دے تو بقیہ شرکا کی بھی قربانی فاسد قرار پائے گی۔ آسان سا حل یہ ہے کہ حصہ لیتے وقت یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام شرکا اپنی حلال آمدن میں سے حصہ ڈالیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ظاہری قول ہی پر اعتماد کر لیا جائے۔ زیادہ تفتیش میں پڑنا درست نہیں ہے۔ جو حضرات کسی ادارے کے تحت حصہ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہوں، ان پر شرعاً واجب ہے کہ کسی ایسے ادارے کا انتخاب کریں جہاں مسائلِ

شرعیہ کی پابندی کی جاتی ہو اور مستند علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی نگرانی میں تمام کام انجام دیا جاتا ہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک عظیم عبادت کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔

اصول تو یہ ہے کہ جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنے ہی مال میں سے اسے ادا کرے گا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اسے بتا کر اس کی طرف سے قربانی کر دے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ خواہ اس نے وہ قربانی اپنے مال سے کی ہو یا اس شخص کے مال سے۔ مثلاً اگر کسی خاتون کی ملکیت میں اتنا زیور ہے کہ اس پر قربانی واجب ہو جائے لیکن اس کا شوہر اس کو اطلاع دے کر اس کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اب اس پر سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اسی کو فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم وکالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں بس موکل (جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے) کو اطلاع دے دینا لازمی ہے۔ کیونکہ اگر اطلاع نہ دی اور موکل نے اپنی واجب قربانی الگ سے ادا کر دی تو جس جانور میں وکیل نے موکل کے حصے کی نیت کی تھی اس کے تمام حصوں کی قربانی غیر معتبر قرار پائے گی اور تمام شرکا کی ایک عظیم عبادت ضائع ہو جائے گی۔

شرکا کے مابین تقسیم

اگر بڑے جانور میں مختلف شرکا موجود ہیں تو قربانی کے بعد گوشت کو برابر تقسیم کرنا لازمی ہو گا۔ باقاعدہ تول کر تمام شرکا کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔ کمی زیادتی سے گناہ ہو گا۔ البتہ اگر شرکا ایک ہی گھر سے ہیں اور سب ساتھ مل کر کھاتے ہیں تو اس صورت میں گوشت تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تمام شرکا الگ الگ بھی رہتے ہیں لیکن سب اس بات پر راضی ہو جائیں کہ گوشت تقسیم کرنے کی بجائے ایک جگہ پکا کر کھا لیا جائے یا پورا صدقہ ہی کر دیا جائے تب بھی تقسیم کرنا لازمی نہیں ہے۔ البتہ اگر ایک فرد بھی اس پر راضی نہ ہو تو اب تقسیم کرنا لازم ہو جائے گا۔ جانور کے بقیہ حصے جنھیں تولنا ممکن نہ ہو انھیں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کوئی بھی معقول شخص اس تقسیم کو عدل پر مبنی شمار کرے۔ اگر کھال اور کلہ پائے گوشت کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں تو اب گوشت کو تولنا لازم نہ ہو گا۔ ایک شریک کو اگر کھال کے ساتھ کچھ گوشت دے دیا جائے اور بقیہ گوشت دوسرا شریک رکھ لے تو یہ بھی درست شمار ہو گا۔

جانور کی شرائط

نبی ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانور خریدنے کے لیے یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمادیا تھا کہ جانور کے کان، آنکھ اور دانت اچھی طرح دیکھ لیے جائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا معیوب جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان شرائط کو فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جنھیں مدِ نظر رکھتے ہوئے قربانی کا جانور خریدنا چاہیے۔ پہلی شرط جانور کی عمر سے متعلق ہے:

۱) بکرا، دنبہ اور بھیڑ کم از کم ایک سال کا ہو۔ ۲) گائے اور بھینس کم از کم دو سال کے ہوں۔

۳) اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہو۔

اگر کسی جانور کی عمر پورے ہونے کا یقین ہو تو اب اس کے دانت دیکھنے کی حاجت نہیں ہے، لیکن چونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اسی لیے دانت دیکھ لینے کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔[۴] نیز دنبے اور بھیڑ میں علما نے ایک استثنا بیان کیا ہے کہ اگر وہ سال بھر کے نہ بھی ہوں لیکن ان کی عمر چھے ماہ سے زیادہ ہو اور وہ اتنے موٹے تازے ہوں کہ اگر سال بھر کے بھیڑ اور دنبوں میں چھوڑ دیے جائیں تو کم عمر نہ نظر آتے ہوں تو اس صورت میں ان کی قربانی بھی جائز قرار پائے گی۔[۵]

پھر نبی ﷺ نے کچھ ایسے عیوب بھی بیان فرمائے کہ جن کی موجودگی میں ایک جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوتی۔ یعنی عام حالات میں تو انھیں ذبح کر کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن قربانی کے لیے ان کو پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں ارشادِ نبوی ہے: «أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيِّ : فَقَالَ الْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تَنْقَى» ”چار ایسے جانور ہیں جنھیں قربانی کی خاطر ذبح کرنا جائز نہیں ہے، ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، ایسا بیمار جس کا مرض ظاہر ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو“۔ حضراتِ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان عیوب کی مزید وضاحت فرمائی ہے۔ ایسا جانور جو اندھا ہو یا بالکل کانا ہو یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا اس کے ایک کان کا تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا دم کا ایک تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا وہ اتنا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا ہی نہ رہا ہو تو اس کی قربانی کرنا ناجائز

ہے۔اگر جانور دبلا ہو مگر اتنا زیادہ دبلا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہوگی۔

اگر کسی جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں تو اس کو بھی قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔اگر اس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے۔اسی طرح اگر سینگ تھے لیکن ٹوٹ گئے تب بھی کوئی حرج نہیں۔البتہ اگر سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو یا اس طرح اکھڑا ہو کہ دماغ تک چوٹ کا اثر پہنچ جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہ ہوگی۔اسی طرح اگر کسی جانور کے اکثر یا سارے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔خصی جانور ذبح کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ افضل بھی ہے۔ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی ایسے مینڈھے ذبح فرمائے تھے:«ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ»''نبی ﷺ نے بقر عید کو دو سینگ والے، چتکبرے، خصی مینڈھے ذبح کیے''۔

قربانی کا وقت

تمام ہی مذاہبِ اسلامیہ میں قربانی کا وقت ۱۰ ذوالحجہ کو نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔اگرچہ اس کے اختتامی وقت میں دو اقوال پائے جاتے ہیں۔احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ۱۲ ذوالحجہ کی مغرب سے پہلے پہلے تک قربانی کرنا جائز ہے۔جبکہ شوافع کے نزدیک ۱۳ ذوالحجہ کا دن بھی ایامِ قربانی میں شامل ہے۔فضیلت کے اعتبار سے ۱۰ ذوالحجہ کی قربانی اولیٰ ہے۔

جس بستی میں عید کی نماز نہ ہوتی ہو جیسے دیہات تو وہاں فجر کے بعد ہی سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔لیکن جہاں اس کا اہتمام ہوتا ہو جیسے شہر وہاں نماز کے بعد ہی قربانی جائز ہوگی۔فقہا نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ بات لازمی نہیں ہے کہ قربانی کرنے والے شخص نے نماز ادا کرلی ہو بلکہ اگر پوری بستی میں ایک جگہ بھی نماز ادا ہوگئی تو اب قربانی کی جاسکتی ہے۔البتہ اگر کسی نے اس سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو اس کی قربانی ادا نہ ہوگی اور اگر وہ صاحبِ استطاعت ہے تو اس پر ایک دوسری قربانی واجب ہوگی۔

منت و وصیت کی قربانی

اگر کسی شخص نے قربانی کی منت مانی اور اس کا کام بھی پورا ہوگیا تو اب اس پر یہ قربانی کرنا واجب ہوگا۔وجوب کی ایک

قسم من اللہ ہوتی ہے جیسا کہ بقر عید کی قربانی کا معاملہ ہے۔ جبکہ وجوب ہی کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو بندے کی اپنی طرف سے ہوتی ہے۔ البتہ منت کی قربانی میں ایک فرق ضرور واقع ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ اس کا گوشت صرف فقرا و مساکین میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اغنیا پر اس کا کھانا ممنوع ہے۔ بعینہ یہ حکم وصیت کی قربانی کا بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک تہائی مال کے اندر اندر یہ وصیت کردی کہ ہر سال اس میں سے ایک قربانی کردی جائے تو اب ورثا پر اس وصیت کو پورا کرنا لازم ہوگا۔ اس قربانی کا بھی پورا گوشت فقرا میں تقسیم ہوگا۔ مزید برآں نفلی قربانی کے برعکس ان قربانیوں میں صرف ایک ہی نیت معتبر ہوتی ہے۔ یعنی منت و وصیت کی قربانی میں کسی اور نفلی قربانی کی نیت نہیں کی جاسکتی۔

قربانی کی قضا

اگر کسی شخص پر قربانی تو واجب تھی مگر وہ کسی بھی وجہ سے اسے ادا نہ کرسکا تو اب اس پر ایک حصے کی کم از کم قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

آداب قربانی

کسی بھی عمل کو بدرجہ احسن ادا کرنے کے لیے اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ ہمارے اسلاف کا بھی یہ ہی طرز تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو اس کے آداب بجالا کر مزین کیا کرتے تھے۔ قربانی بھی ایک عظیم عبادت ہے اور جو شخص بھی اسے سرانجام دے رہا ہو اسے چاہیے کہ اس کے تمام آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تاکہ اللہ کے یہاں مکمل اجر پاسکے۔ سب سے پہلے دل میں قربانی کی نیت کرلینی چاہیے۔ زبان سے کچھ کہنا لازمی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص یکسوئی کی خاطر کچھ کلمات بھی ادا کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ذبیحے پر بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ أَكْبَر زبان سے پڑھنا لازمی ہے، اس کے بغیر جانور حلال نہ ہوگا۔ جانور کو ذبح کرنے کے وقت قبلہ رو لٹانا بھی قربانی کے آداب میں شامل ہے۔ جانور کو لٹانے کے بعد یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ* قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ*

لَا شَرِيكَ لَه وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ* اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ(سنن ابن ماجہ): "میں اس ذات کے لیے یکسو ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بلا شبہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو کہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ (یہ توفیقِ قربانی) تیری طرف سے ہے اور (یہ قربانی) تیرے ہی لیے ہے اور (یہ قربانی) محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے ہے"۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کریں، اور ذبح کرنے کے بعد اگر یہ دعا یاد ہو تو پڑھ لیں: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ[٦] "اے اللہ! تو مجھ سے بھی یہ قربانی اسی طرح قبول کرلے جس طرح تو نے اسے اپنے حبیب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے قبول فرمالیا تھا"۔ اگر ذبح کرنے والا کسی اور کا جانور ذبح کرے تو مِنِّي کی بجائے مِنْ کے بعد جس کی قربانی ہے اُس کا نام لے، اگر گائے ہے تو مناسب یہ ہے کہ تمام حصے داروں کے نام لے۔ جانور کو کچھ دن پالنا بھی افضل ہے۔ مزید برآں چونکہ نبی ﷺ نے ذبح کرنے میں بھی احسان کا حکم دیا ہے، اسی لیے چاہیے کہ ذبح کرنے سے قبل چھری خوب تیز کرلی جائے اور ایک جانور کو دوسرے کے سامنے نہ ذبح کیا جائے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیا جائے اور جب پوری جان نکل جائے تب کھال اتاری جائے۔ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا اولیٰ ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس وقت وہاں حاضر رہنا چاہیے۔

گوشت کی تقسیم

ویسے تو یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص پورا کا پورا گوشت ذخیرہ کرلے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے بنا لیے جائیں، ایک اپنے استعمال کے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور ایک فقرا و مساکین کے لیے۔ البتہ اس کے برخلاف بھی تقسیم جائز ہے۔

کھال کے احکام

جاننا چاہیے کہ جانور کے تمام اعضا و اجزا کے مصارف طے ہیں۔ یہاں تک کے وہ شے جس کو نمائش و آرائش کی خاطر

جانور پر باندھا گیا ہو اسے بھی فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہا نے تو یہاں تک صراحت فرمائی کہ جانور کی رسی بھی فروخت کرنا یا اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ بعینہ یہ حکم کھال کا بھی ہے۔ اسے خود استعمال میں لانا یا صدقے میں دے دینا یا کسی کو تحفتاً دے دینا تو جائز ہے لیکن اسے فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قصائی کو اجرت پر کھال دے دینا بھی ناجائز ہے۔ اگر ایسی غلطی کر دی تو کھال کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوگی۔ ایک بات یہ بھی واضح رہنی چاہیے کہ کھال کو مسجد مدرسے وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کھال کی قیمت کو بھی زکوۃ کی مانند فقرا کی ملکیت میں دینا شرط ہے۔ ہاں کسی مدرسے کے طلبہ اگر مستحق زکوۃ ہوں تو ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں کھال کی قیمت کو استعمال کرنا درست ہے۔ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کھال ایسی جگہ دی جائے جہاں مستند علمائے کرام کی نگرانی میں کام ہوتا ہو تاکہ اس عظیم عبادت میں کوئی نقص نہ آنے پائے۔

عید کے دن کے مسنون اعمال

عید کے دن چند اعمال کا بجالانا مسنون ہے۔ چونکہ یہ اعمال نہایت آسان بھی ہیں اور اپنی جگہ فضیلت کے حامل بھی اس لیے انھیں سرانجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اولاً تو صبح جلدی بیدار ہونا چاہیے اور فجر کی نماز کا جماعت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے۔ پھر نماز کے بعد خوب اچھی طرح سے مسواک بھی کرنا چاہیے اور غسل بھی۔ عمدہ ترین لباس زیب تن کرنا بھی مسنون ہے چاہے وہ نیا نہ ہو۔ پھر اگر کسی کو سہولت ہو تو عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اور جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے ہی کھانے پینے کا آغاز کرے۔ نبی ﷺ بھی ذبیحے کی کلیجی سے ہی کھانے پینے کا آغاز فرماتے تھے۔ البتہ اس میں شدت برتنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اسے روزے سے تعبیر کرنا بھی مناسب نہیں ہے، چونکہ اس دن روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ پھر عید الفطر کے برعکس عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کا پڑھنا مسنون ہے۔ یہ وہ چند آداب ہیں جن کا تعلق روزِ عید سے ہے۔

نمازِ عید کا طریقہ

ہر عبادت کو بجالانے سے قبل اس کے مسائل کا سیکھ لینا لازم ہے۔ عید کی نماز چونکہ سال میں صرف دو ہی بار ادا کی جاتی ہے اس لیے عوام میں اس کے مسائل سے ناواقفیت پائی جاتی ہے۔ جبکہ فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بڑے سہل انداز میں اس نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ اولا تو نماز کی نیت کرلی جائے۔ ماقبل یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ نیت اصلاً تو فعلِ قلب ہے لیکن زبان سے اس کو مؤکّد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص عربی میں نیت کرنا چاہیے تو ان کلمات کو پڑھ لے: نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ رَكْعَتَيِ الْوَاجِبِ صَلَاةَ عِيْدِ الْأَضْحٰى مَعَ سِتِّ تَكْبِيْرَاتٍ وَّاجِبَةٍ، اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاکر تکبیرِ تحریمہ کہے اور پھر ہاتھ باندھ کر ثنا پڑھ لے۔ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاکر تین تکبیرات کہے۔ دو کے بعد ہاتھ چھوڑ دے اور تیسری کے بعد باندھ لے۔ پھر معمول کے مطابق ہی پہلی رکعت مکمل کرلے۔ دوسری رکعت میں پہلے قراءت کی جائے گی اور پھر تین تکبیرات کہی جائیں گی۔ تینوں تکبیرات میں ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کیا جائے گا۔ اس کے بعد معمول کے مطابق نماز مکمل کرلی جائے گی۔ اس طرح عید کی واجب نماز ادا ہوجائے گی۔ نیز نماز کے بعد عید کا خطبہ سننا بھی واجب ہے۔ عید کی نماز احناف کے نزدیک واجب ہے۔

یہ وہ کچھ منتشر مباحث تھے جنھیں ایک عنوان کے تحت جمع کردیا گیا۔ لیکن اس مختصر مضمون کو پڑھ کر بقیہ کتب سے استغنا نہیں برتا جاسکتا۔ یہ تو ترغیب دلانے کا ایک سبب ہے، تاکہ قاری میں ایک ذوق پیدا ہو اور وہ علماے کرام کی کتابوں سے مستفید ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس چھوٹی سی کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور جو کمی کوتاہیاں رہ گئیں اپنے فضل سے ان کا ازالہ فرمائے۔ وماتوفیقی اِلا باللہ

حوالہ جات

(1) وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر) كما مر (لا الذكورة فتجب على الأنثى) خانية (وسببها الوقت) وهو أيام النحر... (قوله واليسار إلخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولو له عقار- يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا، وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم، وقيل

قوت شهر، فمتى فضل نصاب تلزمه. ولو العقار وقفا، فإن وجب له في أيامها نصاب تلزم، وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصابا غنى وثلاثة فلا، لأن أحدها للبذلة والآخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والأعياد، والمرأة موسرة بالمعجل لو الزوج مليا وبالمؤجل لا، وبدار تسكنها مع الزوج إن قدر على الإسكان.(الدر المختار مع الرد، كتاب الأضحية،٣١٢/٦)

[٢] أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلك حيث قال: وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها(رد المحتار، كتاب الزكاة) يعتبر آخر أيام النحر في الفقر والغنى والموت والولادة (الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان)

[٣]الفقير إذا اشترى شاة للأضحية فسرقت فاشترى مكانها، ثم وجد الأولى فعليه أن يضحي بهما، ولو ضلت فليس عليه أن يشتري أخرى مكانها، وإن كان غنيا فعليه أن يشتري أخرى مكانها (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري، كتاب الأضحية،١٩٩/٨)

[٤]وتقدير هذه الأسنان بما قلنا يمنع النقصان، ولا يمنع الزيادة، حتى لو ضحى بأقل من ذلك شيئا لا يجوز، ولو ضحى بأكثر من ذلك شيئا يجوز ويكون أفضل. (الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب،٢٩٧/٥)وأما الهتماء وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، كذا في البدائع. وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب،٢٩٨/٥)

[٥]«يجوز الجذع من الضأن أضحية» رواه أحمد وابن ماجه وقالوا: هذا إذا كان الجذع عظيما بحيث لو خلط بالثنيات ليشتبه على الناظرين، والجذع من الضأن ما تمت له ستة أشهر عند الفقهاء. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري،كتاب الأضحية،٢٠٢/٨)

[٦]فتاویٰ محمودیہ،باب في مستحبات الأضحية و آدابها

****

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱۲)

۳۵۹ھ میں؛ مصر کے عبیدی فاطمی خلیفہ المعزلدین اللہ کے دورِ حکومت میں بیت المقدس پر عبیدیوں نے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان نے نصاریٰ کے ساتھ خاص تعلقات استوار کیے اور ان کے ہاں شادیاں بھی کیں۔ ان کے ایک حکمران العزیز باللہ نے ایک عیسائی عورت سے شادی کر رکھی تھی۔ ۳۸۶ھ میں اس عیسائی عورت کا بیٹا الحاکم بامر اللہ الفاطمی حاکم بنا۔ الحاکم نے عیسی بن نسطور عیسائی کو اپنا وزیر بنایا اور شام میں ایک یہودی کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ۴۶۵ھ میں الپ ارسلان سلجوقی نے فاطمیوں سے بیت المقدس چھین کر یہاں بغداد کی عباسی سُنّی خلافت کا جھنڈا لہرا دیا لیکن یہ ایک عارضی وقفہ تھا۔ سقوطِ قدس یعنی بیت المقدس پر صلیبی قبضے کے ایک سال قبل یعنی ۴۹۱ھ (۱۰۹۸ء) میں فاطمیوں نے سلجوقیوں سے بیت المقدس دوبارہ حاصل کر لیا۔

صلیبی تحریک کی ابتدا

رومی عیسائی سلطنت ایک مدت سے دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مشرقی رومی سلطنت جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا جبکہ مغربی رومی سلطنت جس کا پایۂ تخت اٹلی کا شہر روم تھا۔ مغربی سلطنت مزید شکست و ریخت کا شکار ہو کر ذیلی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ جبکہ مشرقی عیسائی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں کمزور ہو چلی تھی۔ مذہبی طور پر کیتھولک چرچ دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک کلیسائے روم اور دوسرا کلیسائے یونان، قسطنطنیہ یونانی چرچ کے تابع تھا جبکہ مغربی رومی سلطنت اور اس کی ریاستوں میں رومن چرچ کا طوطی بولتا تھا۔ ابتدائی دور میں عیسائی سلطنتوں میں پوپ کو سیاسی اثر و

رسوخ حاصل نہ تھا۔ لیکن بتدریج ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ پادریوں کو اُمورِ سلطنت میں دخل اندازی کا موقع ملتا گیا۔ پادریوں کی غیر مرئی حکومت کی ابتدا، نویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہوتی ہے جب پوپ نے چارلس اعظم (شارلمین) کو تختِ فرانس پر بیٹھنے میں مدد کی۔ پادریوں کی غیر رسمی حکومت کا عروج پوپ الیگزینڈر دوم کا دور ہے جس نے (۱۰۶۶عیسوی میں) فرانسیسی علاقے نارمنڈی کے حکمران "ولیم باسٹرڈ" کو تاجِ برطانیہ حاصل کرنے میں مدد دی۔ الیگزینڈر دوم کے بعد ہلڈی برینڈ (۱۰۷۳۔۱۰۸۵عیسوی) پوپ بنا۔ اس کے دل میں مذہبی حکومت کے توسع کے خیالات پہلے ہی پختہ ہو چکے تھے۔ پوپ کے دلی ارادوں کی اظہار و تکمیل میں سیاسی حالات نے بھی اس کی معاونت کی۔ اس کا پس منظر یوں ہے کہ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) میں سلجوق بادشاہ الپ ارسلان نے محض پندرہ ہزار کے مختصر لشکر کی مدد سے تاریخی معرکے ملاذکرد میں مشرقی رومی سلطنت کے لاکھوں کے لشکر کو نہ صرف شکستِ فاش سے دوچار کیا بلکہ شاہِ قسطنطنیہ ارمانوس کو قیدی بھی بنالیا جو ڈیڑھ ملین دینار فدیہ ادا کر کے آزاد ہوا۔ اگلے چند سالوں میں سلجوقیوں نے ایشیائے کوچک کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ رومیوں کے تاریخی شہر نیقیہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب باوجود مذہبی اختلافات کے، قسطنطنیہ کے بازنطینی حکمرانوں نے مغربی روم کے عیسائیوں کی طرف "المدد" کی آوازیں لگائیں۔ اب پوپ ہلڈی برینڈ نے مشرقی رومی سلطنت کے دفاع اور مقدس مقامات کو "بے دینوں" کے قبضے سے چھڑانے کے لیے مذہبی مہم جوئی کی ضرورت پر زور دیا۔ لیکن باجود کوشش کے مسلمان مخالف ان باتوں کو قبولِ عام حاصل نہ ہوا۔ پوپ ہلڈی برینڈ کے انتقال کے بعد پوپ اربن اور پطرس راہب نے مسیحی مذہبی جنون پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر پطرس راہب نے پوپ اربن کے ایما پر قریہ قریہ، بستی بستی گھوم کر ارضِ مقدس پر قابض مسلمانوں کے مسیحی عوام اور زائرین پر مظالم کی فرضی داستانیں سنائیں۔ پطرس نے لوگوں کو باور کرایا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اسے اس کام کے لیے نامزد کیا ہے بلکہ اس کے معتقدین میں یہاں تک مشہور ہو گیا کہ راہب کے پاس آسمان سے کوئی تحریری پروانہ بھی آیا ہے۔ راہب جہاں جاتا فرضی قصے بیان کر کے خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رلاتا۔ اس نے عیسائیت کو مظلوم اور مسلمانوں کو ظالم ثابت کر دکھایا۔ اور لوگوں میں ان مظالم کے خلاف کھڑے ہونے کا جذبہ بیدار کر دیا۔ چناں چہ ۱۰۹۵عیسوی میں پیاسنزا (اطالیہ یعنی اٹلی کا

دریائے پو کے کنارے کا ایک شہر) کے مقام پر مسیحی کونسل کا انعقاد ہوا۔ اس میں قسطنطنیہ کے نمائندے بھی شامل ہوئے جنھوں نے مغربی نمائندوں کے سامنے مسلمانوں کی پیش قدمی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور مغربی دنیا سے درخواست کی کہ وہ ترکوں سے مشرقی سلطنت کو بچانے میں ان کی مدد کرے۔ اسی سال ایک دوسری مسیحی کونسل کا انعقاد، فرانس کے شہر کلر مانٹ میں عمل میں لایا گیا۔ یہاں پوپ اربن ثانی نے ایک جوشیلی تقریر کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف جذبات کو آگ لگا دی۔ لوگ دشمن کے مقابلے میں نکلنے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ لوگوں کا ایک ہی نعرہ تھا "ارضِ مقدس یا شہادت" پوپ نے انھیں بازو اور سینے پر صلیب کا نشان بنانے کا کہا جس کی وجہ سے یہ مہم صلیبی جنگ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پادریوں میں سب سے پہلے پوئی (فرانس) کے پادری ایڈ ہیمار نے خود پر صلیب کا نشان بنایا چنانچہ اسے پوپ کا نائب قرار دیا گیا۔ صلیب کا نشان ایک عظیم شعار قرار پایا۔ چناں چہ اگر کوئی مجرم اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا دیتا تو اسے جیل خانے سے آزاد کر دیا جاتا۔ صلیب کا نشان، مزارع کو زمین دار سے نجات دلا دیتا اور مقروض کو مہاجن سے رعایت مل جاتی۔ اس طرح مختلف معاشرتی زنجیروں میں بندھے لوگ، مقدس جنگ کے لیے خود کو آزاد کرانے لگے۔

پہلی صلیبی مہم (۴۸۹ھ۔ ۴۹۲ھ/۱۰۹۶۔ ۱۰۹۹عیسوی)

پہلی صلیبی مہم تین سال پر مشتمل تھی۔ ۱۰۹۶ء میں پہلا لشکر؛ مشرق کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس کی قیادت پطرس راہب نے کی۔ یہ زیادہ تر عوام الناس پر مشتمل تھا۔ یہ پہلے بازنطینی سلطنت کے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں پہنچے اور شاہ بازنطین الکیسوس کی اشیر باد لے کر سلجوقی سلطنت کی حدود میں داخل ہوئے۔ سلجوقی بادشاہ قلیچ ارسلان نے انھیں اپنے دارالحکومت "نیقیہ" پہنچنے دیا اور یہاں آرام سے چن چن کر قتل کیا۔ چند ماہ بعد ایک دوسرا صلیبی لشکر ارضِ مقدس کی طرف روانہ ہوا۔ یہ منظم نائٹس اور ڈیوکس پر مشتمل تھا۔ لشکر کی قیادت گاڈ فرے (بوئیلون یعنی آرڈنس، شمالی بیلجیم کا نواب) کر رہا تھا۔ دیگر قائدین میں بالڈون اور ہیوغ (نواب آف ورمانڈوا) وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ دیگر علاقے کے لوگ بھی اپنی فوجیں لے کر مسلمانوں سے برسرِپیکار ہونے کی تیاری میں لگ گئے۔ ان میں مغربی بیلجیم کے علاقے فلانڈرس کا نواب رابرٹ، جنوبی اٹلی کے علاقے، ٹارنٹم یا ٹارنٹ کا نواب بوہیمانڈ اور اس کا بھانجا، نائٹ ٹنکرڈ، فرانسیسی علاقے پوئی کا اسقف ایمپر،

طولوز کے علاقے کا نواب ریمنڈو، نارمنڈی کا نواب رابرٹ، وغیرہ شامل تھے۔ ہر ایک کے ساتھ اس کی منظم سپاہ اور نائٹس کے علاوہ عوام الناس کی ایک بڑی تعداد تھی۔ صلیبیوں کی تعداد سات لاکھ سے متجاوز تھی۔ بعد میں دیگر گروہِ نصاریٰ بھی شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ سقوطِ قدس کے موقعے پر، ابنِ کثیر رحمہ اللّٰہ کی روایت کے مطابق صلیبی لشکر کی تعداد، دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ گروہ مختلف اطراف سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ گاڈفرے وغیرہ کے لشکر قسطنطنیہ پہنچے۔ قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ الیکسوس نے صلیبیوں کے ساتھ اس شرط پر دوستانہ معاہدے کیے کہ وہ الیکسوس کے علاقے میں امن و امان میں خلل نہ ڈالیں گے بلکہ بادشاہ کی اطاعت کریں گے۔ اس کے بدلے میں شاہِ بازنطین نے صلیبیوں کی پشت پناہی و فراہمیٔ رَسد کا وعدہ کیا نیز گاڈفرے کو اپنا منھ بولا بیٹا بنا لیا۔ مارچ ۱۰۹۷ء میں صلیبی قسطنطنیہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ بازنطینی بحری جہاز انھیں باسفورس کے مشرقی کنارے پر اتار کر واپس ہوئے۔ صلیبیوں نے نیقیہ کا محاصرہ کیا۔ سلطان قلیچ ارسلان نے ہوشیاری کے ساتھ اپنی فوج کو شہر سے باہر نکالا اور شاہِ بازنطین سے گفت و شنید کر کے شہر اس کے حوالے کر دیا۔ اس طرح شہری آبادی صلیبیوں کے ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئی۔ شہر پر بازنطینی پرچم لہراتا دیکھ کر صلیبی بہت تلملائے۔ اب سلطان نے صلیبیوں پر چھوٹے چھوٹے حملے کر کے انھیں بہت نقصان پہنچایا لیکن آخر کار ایک کھلی جنگ میں سلطان نے شکست کھائی اور مشرق کی طرف قونیہ تک پسپا ہو گئے۔ صلیبیوں نے اڈیسیا (الرہا) فتح کرنے کے بعد، ۱۰۹۸ عیسوی میں انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا جہاں سلجوق کمانڈر نے عمدگی سے شہر کا دفاع کیا لیکن ایک عیسائی عہدے دار کی غداری کے سبب صلیبی شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں انھوں نے شہری آبادی یہاں تک کہ بچوں اور عورتوں تک کا قتلِ عام کیا۔ اتنے میں سلجوقی حاکمِ موصل، قوام الدولہ کربوقا نے انطاکیہ پر حملہ کر کے صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ صلیبی بھوکوں مرنے لگے یہاں تک کہ وہ مسلمان مُردوں کی قبریں کھود کو لاشوں سے گوشت کاٹ کر پکاتے اور کھاتے۔ تنگ آکر انھوں نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ یہاں کربوقا نے اپنے ساتھی کمانداروں کی درست رائے کے برعکس، شہر سے نکلتے ہوئے صلیبی جتھوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کے پورے لشکر کو باہر نکل کر صف آرا ہونے کا موقع دیا۔ اس غلط فیصلے کی پاداش میں مسلمانوں کو ایک خوفناک لڑائی کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار وہ شکست سے دوچار

ہوئے۔ یوں انطاکیہ پر صلیبی قبضہ مستحکم ہوگیا۔ کئی ماہ آرام کرنے کے بعد صلیبی مَعَرَّۃُ النُّعمان شہر پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے محصور ہوکر دفاع کیا۔ ابتدا میں مسلمانوں نے بہادری اور ہمت کا مظاہرہ کیا اور صلیبیوں کو شہر پناہ کے نزدیک تک نہ آنے دیا۔ صلیبیوں نے لکڑی کا ایک بہت اونچا پل بناکر وہاں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن انھیں اس میں بھی کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن ایک رات ایک مسلمان گروہ کسی وہم کا شکار ہوکر شہر پناہ سے اتر کر اپنے گھروں میں داخل ہوگیا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے گروہ بھی اترنے لگے یہاں تک کہ شہر پناہ خالی ہوگئی اور عیسائی رسیوں کی سیڑھیاں لگاکر شہر میں داخل ہوگئے۔

قبضے کے بعد تین دن تک مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا اور ابنِ اثیر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ایک لاکھ مسلمان تہِ تیغ کیے گئے جبکہ قیدی بنائے جانے والے مرد و زن اس کے علاوہ تھے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے لاذقیہ پر قبضہ کیا اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور بیروت، کوہِ لبنان اور یافہ سے ہوتے ہوئے رملہ میں پہنچے جو بیت المقدس سے کچھ میل کے فاصلے پر تھا۔ جون ۱۰۹۹ عیسوی میں انھوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک ماہ سے اوپر کے محاصرے میں کئی بار صلیبیوں کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی یہاں تک کہ ایک موقع پر ان کے سپاہی بالکل دل چھوڑ بیٹھے کہ ان کے پادریوں نے مقدس روحوں کی مدد آ جانے کا اعلان کیا جس سے ان کے لشکر میں ایک نیا جوش و خروش پیدا ہوا اور وہ دیوانہ وار شہر کی دیواروں پر چڑھ دوڑے اگرچہ بہت سارے قتل کیے گئے ہوں گے لیکن ان کی کثرت کی وجہ سے حملے کے زور میں کوئی کمی نہ آئی یہاں تک کہ وہ عین اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کی جا رہی تھی۔ وحشی صلیبیوں نے مسجد کے تقدس کا بھی خیال نہ کیا اور مسجد ہی میں قتلِ عام شروع کر دیا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمان شہید کیے گئے اور انگریز مؤرخین کے مطابق مسجد میں خون کی ایسی ندی بہہ نکلی جس میں گھوڑے گھٹنوں تک ڈوب گئے۔ زخمیوں کو گھوڑوں کے سُموں تلے روند دیا گیا۔ مسجد کی قیمتی اشیا مثلاً سونے چاندی کی قندیلیں وغیرہ لوٹ لی گئیں۔ شیر خوار بچوں کو پاؤں سے پکڑ کر دیوار پر پٹخ دے مارا جاتا۔ کئی نامور مسلمان اور علما جان بچا کر عراق پہنچے اور دربارِ خلافت میں بیت المقدس کے عبرت انگیز واقعات سنا کر خلیفہ سے مدد چاہی۔ خلیفہ نے مختلف علما مثلاً ابنِ عقیل رحمہ اللہ وغیرہ کو مسلمانوں کے درمیان جہاد کی آواز بلند کرنے کا حکم دیا لیکن افسوس وہ خوابِ غفلت میں ڈوبے مسلمانوں کو

متحرک نہ کر سکے۔ یہ سانحہ ماہِ شعبان ۴۹۲ھ (۱۰۹۹عیسوی) میں پیش آیا۔ مصر کے فاطمی عبیدی خلیفہ نے اپنے سپہ سالار، امیر افضل کو بیت المقدس کا قبضہ چھڑانے کے لیے روانہ کیا جس کی اطلاع گاڈفرے کو مل گئی اس نے آگے بڑھ کر عسقلان کے قریب فاطمی فوجوں کو جالیا۔ اس جنگ میں گاڈفرے کو فتح حاصل ہوئی اور فاطمیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں سے صلیبی آگے بڑھے اور عسقلان شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے بارہ ہزار دینار فدیہ دے کر جان چھڑائی۔ گاڈفرے بیت المقدس پر ایک سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے بعد بالڈون حکمران بنا جس نے ۱۱۰۰عیسوی سے ۱۱۱۸ء تک یہاں حکومت کی۔ مسلمان اگرچہ شکست کھا گئے تھے اور بہت سے علاقوں مثلاً فلسطین، قیساریہ، حَیفَ، یافا، ارسوف، طبریہ، لاذقیہ، انطاکیہ، الرہا (ایڈیسا) وغیرہ صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ لیکن مسلمان مختلف اطراف میں کوشش کرتے رہے۔ ۴۹۳ھ میں ایک ترک سردار کُمُشتِکِین ابن الدانشمند نے ملطیہ کے نزدیک بوہیمانڈ کو شکست دی اور اسے گرفتار کر لیا۔ اپنے سردار کو چھڑانے کے لیے صلیبی تین لاکھ کا لشکرِ جرّار لے کر کُمُشتِکِین کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انھوں نے انگورہ (انقرہ) پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ اس کے بعد وہ ملطیہ میں پہنچے جہاں کُمُشتِکِین بن دانشمند اور اسماعیل بن دانشمند صلیبیوں کے مقابلے پر آئے اور دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آدھے لشکر کو میدان میں اتارا اور بقیہ لشکر کو کمین گاہوں میں چھپا دیا جس نے عین لڑائی کے دوران مختلف اطراف سے صلیبیوں پر حملہ آور ہو کر ان کے چھکے چھڑا دیے۔ مسلمانوں نے اس لڑائی میں، صلیبیوں کے سابقہ بزدلانہ مظالم کا بہادرانہ بدلہ لیا اور صلیبیوں کا خوب قتل کیا یہاں تک کہ ابنِ اثیر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق صرف تین ہزار صلیبی رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر فرار ہو سکے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ملطیہ پر قبضہ کر لیا۔ قبضے چھڑانے کے لیے انطاکیہ سے صلیبی لشکر ملطیہ پہنچا لیکن شکست کھا کر فرار ہوا۔ بوہیمانڈ ابھی تک مسلمانوں کی قید میں تھا جسے سلجوق کمانڈر باغیسان کی بیٹی کے بدلے میں آزاد کر دیا گیا جو انطاکیہ کی شکست کے موقعے پر فرنگیوں کی قید میں چلی گئی تھی۔ ۵۰۰ھ میں، شاہِ قسطنطنیہ اور صلیبیوں کے سردار بوہیمانڈ کے درمیان اختلافات بڑھ گئے یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آگئی۔ قلیج ارسلان سلجوقی والیٔ قونیہ نے اس جنگ میں شاہِ روم کی درخواست پر اس کی حمایت میں فوج روانہ کی۔ چناں چہ متحدہ فوج نے صلیبی فرنگیوں کو شکست سے دوچار کیا۔ اس جنگ نے اردگرد کے مسلمانوں کو صلیبیوں سے لڑنے کی ترغیب دلا دی۔ ۵۰۲ھ میں طُغتِگین والیٔ دمشق نے صلیبیوں سے کئی جنگیں

لڑیں۔ انھوں نے طبریہ کے علاقے میں فرنگیوں کو شکست دی۔ اس جنگ میں بالڈون کا بھانجا قیدی بن کر مقتول ہوا۔ ۵۰۵ھ میں والیٔ موصل مودود بن زنگی اور امیر ایلغازی نے شام میں فرنگیوں پر حملہ کیا اور کئی اہم قلعے ان سے چھین لیے۔ ۵۰۷ھ میں انھی افواج نے طبریہ میں فرنگیوں کو عبرت ناک شخص دے کر یہ علاقہ آزاد کرا لیا۔ ۵۲۷ھ میں حلب کے اطراف میں امیرِ حلب اَسوار نے فرنگیوں کا مقابلہ کیا، پہلی بار شکست کھانے کے بعد، فرنگیوں کو شکست سے دوچار کیا۔ فرنگی پسپا ہوئے لیکن جلد ایک نئی فوج حلب پر چڑھا لائے۔ امیرِ حلب اسوار نے امیرِ حسان البعلبکی کے ساتھ مل کر فرنگیوں کو عبرت ناک شکست دی اور ان کا خوب خون بہایا۔ عماد الدین زنگی بن آقسُنقُر (والیٔ حلب) نے ۵۴۰ کی دہائی میں فرنگیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور بہت سے قلعے اور شہر فتح کیے۔ عماد الدین زنگی نے ۵۳۹ھ میں الرُّہا پر حملہ کیا۔ فرنگی محصور ہو گئے لیکن قلعے سے نکل نکل کر مسلمانوں پر حملے کرتے رہے۔ تقریباً ایک مہینا ان کی جھڑپیں جاری رہیں جن میں اکثر مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ آخر مسلمان قلعے کی دیواریں توڑ کر اندر داخل ہوئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے شہر پناہ کی تعمیرِ نو کی اور عیسائیوں سے اچھا سلوک کرتے ہوئے انھیں امان دی۔ اس کے بعد انھوں نے سَرُوج اور دریاے فرات کے شرقی کنارے پر آباد بعض دوسرے شہر آزاد کر لیے۔ ۵۴۲ھ میں نور الدین زنگی نے کئی قلعے فرنگیوں سے آزاد کرا لیے۔ ۵۴۴ھ میں نور الدین زنگی نے انطاکیہ پر حملہ کر کے قابض صلیبیوں کو شکست دی اور ان کے والی کو قتل کیا۔ لیکن جب شہر کا محاصرہ کیا تو فرنگیوں کو آس پاس سے کمک مل جانے پر وہ محاصرہ چھوڑ کر واپس آ گئے۔ ۵۴۷ھ میں بھی نور الدین زنگی نے فرنگیوں کو عبرت ناک شکست دی۔

کتابیات

۱) وا قدساه
۲) تاریخ ابن الاثیر
۳) تاریخ ابنِ کثیر
۴) النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة
۵) صلیبی جنگوں کے سربستہ راز

جاری ہے

* * * *

مولانا حماد احمد ترک
نائب مدیر، ماہنامہ مفاہیم، کراچی

سفر نامۂ ترکی (۵)

بندر گاہ پر ایک چھوٹا بحری جہاز لنگر انداز تھا جس کا ایک حصّہ پل کی مانند بندر گاہ سے ملا ہوا تھا اور گاڑیاں قطار در قطار جہاز میں کھڑی ہو رہی تھیں۔ جب جہاز بھر گیا تو اس پل نما حصّے کو اٹھا دیا گیا اور جہاز روانہ ہوا۔ بالائی منزل پر نشستوں کا بھی انتظام تھا۔ ہم وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ قہوے کا دور شروع ہوا تو گائیڈ نے کیمرہ نکال لیا اور تصاویر اتارنی شروع کیں۔ قہوے کے بعد اکثر دوست جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ کرنے لگے۔ تقریبًا آدھے گھنٹے کے بعد دوسری طرف اترے اور ایک بار پھر زمینی سفر شروع ہوا۔ پہلا قیام ایک بہت ہی قدیم درخت کے پاس ہوا۔ سینکڑوں سال پرانے اس درخت کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ درخت نسبتًا بلندی پر واقع تھا اور منظر بہت دلکش تھا۔ اب تک کی چار قسطوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس موقعے کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ہم نے کیا کیا ہو گا۔ ہم اپنے قارئین کو ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ یہاں بھی ہم نے قہوہ پیا اور یہ تو بالکل بھی نہیں بتائیں گے کہ ایک نہیں بلکہ قہوے کے دو دور چلے۔ بہرحال؛ یہاں سے روانہ ہونے لگے تو کچھ لوگ نظر آئے جن کے کندھوں پر بہت بڑے بڑے اور خوبصورت رنگوں والے توتے بیٹھے ہوئے تھے (توتات کے ساتھ ہی درست ہے ماہرینِ لسانیات کے نزدیک، ط سے لکھنا غلط ہے)۔ سیاح ان توتوں کو کندھے پر بٹھا کر تصویریں کھنچواتے ہیں اور اس کی اجرت ان لوگوں کو دیتے ہیں۔ ترکی میں توتے کو "پپگان" کے نام سے پکارتے ہیں جو کہ عربی سے ترکی میں آیا۔ عربی میں اسے "ببغاء" کہتے ہیں۔

اس مقام سے آگے بڑھے تو تقریبًا آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد چیئر لفٹ والے مقام پر رکے جسے "اولوداغ" (بلند

چوٹی) کہتے ہیں لیکن چیئر لفٹ (جسے وہ لوگ ٹیلی فیرک کہتے ہیں) مرمّتی اُمور کے سبب بند تھی۔ ہماری اگلی منزل ''اولو جامی'' (بلند مسجد) تھی جہاں ہم نے نمازِ ظہر ادا کرنی تھی۔ وضو کر کے مسجد میں داخل ہوئے اور نمازِ ظہر ادا کی۔ یہاں بھی نماز کے بعد حسبِ معمول تلاوت ہوئی۔

تلاوت کے بعد مسجد کا دورہ شروع کیا۔ مسجد کا دورہ کرانے کے لیے ہم آپ کو مسجد سے باہر لے جاتے ہیں۔ اولو جامی کے احاطے میں داخل ہوتے ہی ایک کشادہ صحن نظر آتا ہے۔ دونوں طرح کے وضو خانے موجود ہیں۔ ایک تو جدید طرز کا جس میں کئی افراد کی گنجائش ہے۔ یہ اسی طرح کا وضو خانہ ہے جیسا ہماری مساجد میں ہوتا ہے۔ دوسرا وضو خانہ قدیم طرز کا ہے جسے شادریوان کہتے ہیں اور اس کی تفصیل گزشتہ اقساط میں گزر چکی ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ مسجد سلطان بایزید اول کے حکم پر ۱۳۹۶ سے ۱۴۰۰ء کے درمیان مکمل ہوئی جبکہ داخلی دروازے پر تختی ۱۳۹۹ء کی ہے۔ یعنی تقریباً چھ سو سال پرانی تعمیر ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک فوارہ نظر آتا ہے۔ چھت پر نظر ڈالیں تو متعدّد گنبد ہیں اور ہر گنبد خطاطی سے مزین ہے۔ پوری مسجد میں خطاطی کے تقریباً ۲۰۰ نمونے موجود ہیں جن میں قرآنی آیات، احادیث، اذکار اور علما و فقہا کے اسمائے گرامی تحریر ہیں۔ اگر محراب کی طرف رخ کریں تو مسجد کے بائیں کنارے پر عثمانی دور کا غلافِ کعبہ موجود ہے جسے برکت کے لیے وہاں رکھا گیا ہے۔ خلفائے اربعہ کے نام مختلف محرابوں پر سب سے اونچے لکھے ہوئے ہیں۔ ائمۂ اربعہ کے نام بھی نمایاں ہیں۔ آیات کے طغروں میں بھی ایک خاص ربط ہے۔ سامنے ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ لکھا ہوا ہے اور پلٹ کر دیکھیں تو ﴿وَاللهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ﴾ درج ہے۔ تقریباً ہر ستون پر کوئی نہ کوئی نمونہ خطاطی کا موجود ہے۔ مسجد کا بیرونی حصہ پتھروں کا بنا ہوا ہے جو قدیم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مضبوط اور خوبصورت ہے۔ مسجد کا بہت تفصیلی دورہ کر کے باہر کی طرف روانہ ہوئے۔

مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو قریب ہی بازار ہے۔ یہاں ایک مشہور ریستوران ''اسکندر کباب'' میں ظہرانے کے لیے نشستیں حاصل کیں۔ عملے کا رویہ اور اخلاق قابلِ تعریف تھا۔ کھانا پیش کرنے سے قبل سرخ رنگ کا مشروب پیش کیا گیا جو صرف ذائقے میں ہی نہیں بلکہ تاثیر میں بھی بہت عمدہ تھا۔ اسکندر کباب دراصل ایک ترک سوغات ہے۔ ایک چھوٹے تھال

میں روغنی روٹی کے ٹکڑے بچھائے جاتے ہیں اور اوپر باریک کٹے ہوئے گوشت کے پارچے ہوتے ہیں جن پر تیز گرم دیسی گھی یا مکھن انڈیلا جاتا ہے۔ بلاشبہہ ترکی میں جتنے بھی ترک روایتی کھانے کھائے گئے ان میں سب سے بہترین اسکندر کباب تھا۔

یہاں سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل فتحِ بورصا پینوراما تھی۔ تقریباً ویسا ہی پینوراما جیسا استنبول میں تھا۔ البتہ فتحِ قسطنطنیہ پینوراما زیادہ بڑا اور اچھا تھا۔ اس پینوراما میں بھی مجاہدین کے ہتھیار اور وردیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بالائی منزل پر فتحِ بورصا کی منظرکشی بہت مہارت کے ساتھ کی گئی تھی۔ ایک جانب کائی سپاہی اور سردار عثمان غازی کا خیمہ تھا اور دوسری جانب فصیل اور اس پر تعینات بازنطینی سپاہی منظر کا حصہ تھے۔ اس کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے بانی عثمان غازی رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری دی۔ اس کے بعد فاتحِ بورصا اورخان بن عثمان غازی کی قبر پر حاضر ہوئے۔ مزار پر پہرے داروں کا لباس قدیم عثمانی فوج کے لباس جیسا تھا اور ہاتھوں میں عثمانی طرز کی تلواریں تھیں۔ متعیّن اوقات میں یہ پہرے دار تبدیل ہوتے ہیں اور ان کی تبدیلی کا منظر بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ مزار پر موجود زائرین کی بہت بڑی تعداد راستے کے دونوں طرف قطار میں کھڑی ہوتی ہے اور درمیان سے یہ سپاہی گزرتے ہوئے جاتے ہیں۔ مزار کے احاطے میں وہ توپیں بھی رکھی گئی تھیں جو فتحِ بورصا میں استعمال ہوئیں۔ عالمِ اسلام کی معروف جنگوں کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو عربوں اور ترکوں میں ایک بات یکساں نظر آتی ہے کہ عرب اور ترک فاتحین جنگ کی منصوبہ بندی اور جنگی چالوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ بالخصوص ترک فاتحین کا یہ مزاج رہا کہ دشمن کو اس محاذ پر شکست دی جائے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو، اور وہ وسائل اختیار کیے جائیں جن کا دفاع ان کے بس میں نہ ہو۔ خیر، مزار کے احاطے میں ہی توپوں سے ذرا آگے بڑھیں تو وسیع جگہ موجود ہے جہاں سے پورے شہر کا منظر نظر آتا ہے۔ ہم نے بورصا کی مسلمان آبادی کو دیکھ کر بے اختیار ان اولوالعزم مجاہدین کی ہمت کو خراجِ تحسین پیش کیا جن کے توکل، جذبۂ جہاد اور بہترین حکمتِ عملی نے ظالم بازنطینی حکمران کے چنگل سے لوگوں کو نکالا اور اسلام کی آزاد اور انصاف پسند فضا میں جینے کا موقع دیا۔ اب بات نکل ہی آئی ہے تو اس چوٹی پر کھڑے کھڑے آپ کو بورصا کی فتح کا قصہ بھی سنائے دیتے ہیں۔

ارطغرل غازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ان کے بیٹے عثمان غازی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸۱ء میں اپنے قبیلے ”کائی“ کے

سردار بنے۔ مختلف جنگوں اور فتوحات کے نتیجے میں عثمان غازی نے جو خطہ فتح کیا، ۱۲۹۹ء میں اس پر عثمانی سلطنت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ عثمان غازی نے سلطنت قائم کی تو ان کی رعایا ۴۰۰ خیموں پر مشتمل تھی۔ عثمانی فوج وقتاً فوقتاً حملے کر کے اپنی سلطنت بڑھاتی رہی لیکن مضبوط معاشی نظام کے لیے کسی بڑے محاذ پر کامیابی ضروری تھی۔ شیر کم ہی شکار کے لیے نکلتا ہے، لیکن جب نکلتا ہے تو سب سے مضبوط ہرن کو ہدف بناتا ہے۔ عثمان غازی کی نظرِ انتخاب نے بورصا جیسے عظیم شہر کو ہدف بنایا۔ ایسی فوج کے لیے؛ جس کے پاس جنگی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، انتہائی مضبوط فصیل اور اسلحے سے لیس بازنطینی فوج کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ قلعے کی فصیل ۳۴۰۰ میٹر لمبی تھی جس پر ۱۴ چوکیاں تھیں اور چھے دروازے تھے۔ فصیل میں شگاف کے لیے کوئی سامانِ حرب نہیں تھا۔ عثمان غازی نے براہِ راست حملہ کرنے کے بجائے ایک طویل المیعاد منصوبہ بنایا۔ بورصا شہر کے گرد جتنی آبادیاں اور شہر تھے سب پر ایک ایک کر کے قبضہ کیا۔ اس طرح بورصا کو دیگر بازنطینی شہروں سے الگ کر دیا۔ اب بھی بورصا کے پاس سالوں تک کا جنگی سامان اور غذائی اجناس کا ذخیرہ تھا اس لیے ان میں زیادہ تگ و دو نظر نہ آئی۔ بورصا کے لیے امداد کا ایک اہم متوقع ذریعہ بحرِ مرمرہ کی آبی گزر گاہ تھی۔ عثمان نے بحرِ مرمرہ کے ایک اہم جزیرے ''کالو لیمنی'' پر قبضہ کیا۔ اس طرح بورصا کا قسطنطنیہ سے بحری تعلق منقطع ہو گیا۔ ایک اور بڑا اقدام عثمان غازی نے یہ کیا کہ بورصا کو نیقیہ جیسے اہم شہر سے جدا کرنے کے لیے ''تریکوکا'' نامی قلعے پر قبضہ کر لیا۔ یوں شمالِ مشرق میں بورصا کی امداد کے تمام ممکنہ راستے مسدود ہو گئے۔ اب عثمانی سپاہیوں نے بورصا کے قریبی علاقوں، تجارتی مراکز اور اہم مقامات کو نشانہ بنایا اور ۱۳۱۷ء میں ان کے حملوں میں تیزی آ گئی۔ عثمانی سپاہیوں کا مقصد بورصا کی بازنطینی فوج کو مشتعل کر کے انھیں جنگ پر اکسانا تھا، کیونکہ جنگ ہوگی تو ان کے وسائل میں کمی آئے گی اور وسائل میں اضافے اور کمک کے ذرائع مسدود ہوں گے تو ریاست بہت جلد کمزور پڑ جائے گی۔ کیوں۔۔۔ حیران ہو گئے نا آپ! تو سوچیں، جب بازنطینی اس جنگی چال سے واقف ہوئے ہوں گے تو ان پر کیا گزری ہوگی۔ اب بورصا شہر ایک جزیرے کی طرح تھا جس سے ہر روز بہت سے شہری نقل مکانی کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ تقریباً چار سال بعد یعنی ۱۳۲۱ء میں صورتِ حال مکمل طور پر عثمانیوں کے حق میں تھی۔ لیکن آپ بورصا کی جنگی طاقت کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اس طویل جنگی منصوبہ کے بعد بھی بورصا کی فوج نے

عثمانیوں کو چنداں اہمیت نہ دی اور بورصا کی حکومت چلتی رہی۔ اب عثمان غازی نے باقاعدہ شہر کے محاصرے کا فیصلہ کیا اور اپنے بیٹے اورخان کو محاصرے کا حکم دیا۔ خود عثمان نے جنگی حکمتِ عملی کے تحت دو مضبوط قلعے تعمیر کروائے۔ جب محاصرہ طویل ہوگیا اور اہلِ شہر محاصرے سے تنگ آ گئے تو انھوں نے ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی۔ دس سال طویل محاصرے سے مضمحل بازنطینی افواج نے عام معافی کی شرط پر قلعے کے دروازے کھول دیے اور عثمانی فوج ۶ اپریل ۱۳۲۶ء کو بغیر کسی مقابلے کے شہر میں داخل ہوگئی۔ عثمان غازی اس وقت انتہائی بیمار تھے۔ اورخان نے اپنے والد کو فتح کی خبر سنائی تو انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اورخان کو وصیت کی کہ اس شہر کو دارالحکومت بنایا جائے۔ عثمان غازی فتحِ بورصا کے چند ماہ بعد ہی وفات پا گئے۔ بورصا طویل عرصے تک سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت بنا رہا۔ یہ تھا فتحِ بورصا کا ایمان افروز واقعہ۔ اب روانگی کا وقت ہوا چاہتا ہے لہذا مزار کے احاطے سے باہر چلتے ہیں۔

مزار کے باہر آلاتِ حرب وضرب کی دکانیں نظر آئیں جہاں عثمانی ٹوپیاں، تلواریں، خنجر اور دیگر جنگی اوزار فروخت کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں ایک مقام پر ”ایفام“ نامی تعلیمی ادارے کا دورہ کیا۔ ترکی کے معروف عالم شیخ احسان شِن اوجاق کی سرپرستی میں قائم اس ادارے کی عمارت تو بہت چھوٹی تھی لیکن عزائم بہت بلند تھے۔ ادارے کا نصب العین بزبانِ ترکی درج تھا جس کا ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے: ”ایفام؛ اسلام کو کشمیریؔ میں، علم کو کوثریؔ میں، فکر کو ندویؔ اور نجیب فاضلؔ میں، زہد کو علی حیدر آفندیؔ میں، فراست کو عبد الحمیدؔ ثانی میں اور جہاد کو امام شاملؔ میں دیکھتا ہے“۔ یہ تمام شخصیات مختلف شعبوں میں ایفام کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ادارہ مختلف النوع تعلیمی خدمات انجام دیتا ہے، مختصر دورانیے کے کورس بھی معمول کی سرگرمی ہیں۔ یہاں ایک نوجوان منتظم؛ استاذ حمزہ سے ملاقات ہوئی۔ بہت رواں اور شستہ عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے تھوڑی دیر میں اندازہ ہوگیا کہ علم دوست شخصیت ہیں اور تعلیم و تعلم ہی ان کا مشغلہ ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی ترکی میں موجود یہ شخص اکابرِ دیوبند بالخصوص حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا ایسا عاشق تھا کہ کیا کہنے۔ ایک صاحب بتانے لگے کہ یہ حضرت حکیم الامت کی اردو کتابوں کو کھول کر حسرت سے ان کے صفحات پلٹتے رہتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کتابوں کا ترجمہ ہوجائے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی کچھ عرصہ قبل اس ادارے کا دورہ کیا تھا۔ استاذ حمزہ؛ حضرت قبلہ شیخ الاسلام صاحب کے بھی انتہائی معتقد تھے۔ ایک تحفہ بھی ان کے لیے ہمارے حوالے کیا۔ ایفام کا دورہ مکمل کر کے ایک بار پھر استنبول کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ پہلے زمینی سفر کیا پھر ایک مقام سے بحری سفر شروع ہوا۔ گاڑی کو فیری میں کھڑا کیا اور خود بحری جہاز کے اوپری حصے میں آ گئے۔ استنبول پہنچتے ہوئے رات کافی ہو چکی تھی اس لیے جلد ہی سو گئے۔

جاری ہے

*****

مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ
عظیم مفسرِ قرآن

دار العلوم دیوبند کی خدمات

نوٹ: دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی عدیم النظیر تقریب میں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کا تاریخی خطاب۔

بعد از خطبہ و تمہید:

میں شرحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ اس برصغیر پاک و ہند میں، اللہ تعالی کے مقبول اور محبوب بندوں کی جماعت ہے، تو وہ اکابرین علمائے دیوبند ہیں، جن میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت، سید الطائفہ یا سرخیل کی سی ہے، شاید میرے اسی جذبۂ صادقہ کی وجہ سے خالقِ کائنات نے میری کم مائیگی اور بے بضاعتی کی لاج رکھ لی ہو کہ مجھے اس کے مقبول و محبوب بندوں سے والہانہ محبت ہے اور اسی محبت کو میں دنیا و عقبیٰ کی سرخ روئیوں کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔

أُحِبُّ الصّالِحِينَ وَ لَسْتُ مِنهُم   لَعَلَّ اللهَ يَرزُقُني صَلاحـًا

آج کی نام و نمود اور ریا و نمائش کی دنیا میں ہر طبقے کے لوگ اسی دھن میں سرگرداں ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں ان کا نام بھی جلی سرخی سے آجائے اور وہ اس بے حقیقت ناموری اور شہرت کے لیے اپنے مال و زر حتیٰ کہ جان کی بازی بھی لگا دیتے ہیں، لیکن اس دنیائے رنگ و بو میں ایسی نادرِ زمانہ اور نابغۂ روزگار ہستیوں نے بھی جنم لیا ہے کہ تاریخ نے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے ان ہستیوں کی دہلیز پر جبہہ سائی کی اور ان کے تذکارِ شریفہ اور حالاتِ حمیدہ کو اپنے اندر سمیٹ کر اپنے دور کو محفوظ کر لیا گویا کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے پیچھے تاریخ کاسہ گدائی لیے پھرتی ہے، کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ میرا وجود اور دم خم اگر باقی رہ

سکتا ہے تو انھی نفوسِ قدسیہ کے وجودِ مسعود سے رہ سکتا ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو دیکھنے کے لیے چشمِ فلک متجسس رہتی ہے اور یہ نعمت اس کو خال خال نصیب ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

واہ میرے شیخ نانوتوی رحمہ اللہ

انھی عبقری صفت ہستیوں میں ایک ہستی کا نام ہے بانی دارالعلوم دیوبند، حجۃ الاسلام، قاسم العلومِ والخیرات، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ، جو اپنی جگہ مجسمہ ٔشرم وحیا، پیکرِ صدق وصفا، علم وعرفان کا چشمہ ٔصافی بلکہ بحرِ ذخّار اور جرأت وبَسالت اور ہمت واستقلال کے جبلِ غیر متزلزِل تھے، ان کی زندگی کے اوصاف وکمالات کو، تقریر وتحریر میں اور قلیل در قلیل وقت میں سمیٹنا یا سمیٹنے کا دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسا کہ ذرے کو اس بات کا مکلف ٹھہرایا جائے کہ وہ آفتاب کی پہنائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لے، چہ جائیکہ مجھ جیسا اس معدنِ علم وعمل اور مخزنِ اسرار ورموز کا ادنی خوشہ چین یہ جسارت کرے کہ:

زَوصفِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغیثت　　　بہ آب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روے زیبارا

اور اردو کا بھی ایک مشہور محاورہ ہے کہ: ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا پہلا خواب

چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا ہے کہ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے ایامِ طالبِ علمی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں کعبہ کی چھت پر ہوں اور مجھ سے بہت سی نہریں جاری ہوکر تمام اطراف کو جارہی ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا دوسرا خواب

نیز آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کی چھت پر ہوں اور میرا منھ کوفہ کی طرف ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر واپس جارہی ہے اگر ان خوابوں پر کوئی صاحبِ دانش وبینِش ادنی سا غور کرے، تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے زندگی بھر کے ان علمی اور عملی کارناموں کی جیتی جاگتی تصویر وتعبیر سامنے آجاتی ہے جو انھوں نے عشق ومحبت سے سرشار ہوکر بقاے دین اور تحفظِ دین کے لیے سرانجام دیے ہیں۔

اے سرزمینِ دیوبند

میرے محترم دوستو! دارالعلوم دیوبند کی بنیاد، اعدائے دین کے خلاف اسلام کی وکالت میں، مناظروں کی صورت میں، دلائل وبراہین کی یلغار میں، اپنی تصانیف وتالیفات میں، متکلّمانہ ومنطقیانہ انداز میں اور فلسفیانہ ابحاث کا انبار لگانے میں، اپنے علمی وروحانی فرزندوں میں، مسلکِ حنفیت کی چار دانگِ عالم میں، عقلی ونقلی تحقیق وریسرچ کا ایک بحرِ ذخّار ہونے میں، وقت کے نمارده فراعنہ اور جبابرہ کے خلاف بھرپور جذبۂ جہاد میں، شہرت وللکار اور انھی خوابوں کے بہار کے خوشگوار جھونکوں کی صدائے بازگشت ہے۔

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا　　　وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھاگئے

دنیا کا وہ کونسا کونہ ہے جہاں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے فرزندوں نے کفروالحاد اور شرک وزَندقہ کے خلاف اسلام کی صداقت اور حقانیت وسطوت اور حشمت کے جھنڈے نہ گاڑے ہوں، میرے اس دعوے میں سرِمومبالغے کی آمیزش نہیں اور نہ ہی اس دعوے کی تائید کے لیے کسی وزنی سے وزنی دلیل کی تلاش ہے، دنیاے عالم سے آنے والے مشائخِ عظام، علماے اسلام اور فضلاے کرام کا یہ جمِ غفیر اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور یہ ایک عظیم الشان اجتماع میرے اس دعوے کے لیے بیّن ثبوت اور واضح دلیل ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کے یہ ثمرات دیکھ کر ایک شخص والہانہ اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

شادباش وشادزی اے سرزمینِ دیوبند　　　ہند میں تونے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

روشنی سے محروم ستارے

میرے دوستو! دنیا میں کئی یونیورسٹیاں معرضِ وجود میں آئیں بعض تو محض دنیا کے لیے اور بعض بظاہر اسلام کے لیے ان اداروں سے ہمیں کیا امید کی کرن نظر آسکتی ہے جن کی بنیاد ہی دنیا پر ہو اور ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ جو مراکز اسلام کی نمائندگی کے لیے تعمیر کیے گئے تھے ان میں سے بھی اس زمانے میں ایسے گل پرزے منظرِعام پر آئے کہ جن کا اسلام کی فیکٹری سے تیار کردہ گل پرزوں سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور ”آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند“ کا بعینہ

مصداق تھے۔ ایک اور شاعر کی شاعری اس پر صادق آتی ہے کہ:

جو خود ہوں محروم روشنی سے میں ان ستاروں کو کیا کروں گا
دکھا سکیں جو نہ راہِ منزل میں ان اشاروں کو کیا کروں گا

لیکن دارالعلوم دیوبند سے جس کی بنیاد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے رکھی، ایسے جواہرِ نایاب اس صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئے کہ جن کی آب و تاب اور چمک دمک سے اہلِ جہاں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور وہ بہ زبانِ حال پکار اٹھیں:

وہ مے وہ خم وہ صراحی وہ جام باقی ہے
اگرچہ میکدے سے اٹھ کے چل دیا ساقی

میری امیدوں کا چمن

ان شاءاللہ العزیز حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی زندہ تابندہ اور درخشندہ یادگار، دارالعلوم دیوبند ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور عالمِ انسانیت کے لیے چراغِ راہ اور مینارۂ نور ثابت ہوتی رہے گی اور یہ سب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے خلوص وللّٰہیت اور ایثار و قربانی کا فیض ہے کیونکہ اس چمنستانِ علم و عرفان اور اس کے سدا بہار پودوں کو انھوں نے اپنے جگر کا خون دے کر سینچا تھا اور اللہ تعالیٰ نہایت قدردان ہے اپنے کسی مخلص بندے کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ بیشک اللہ پاک کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اقبالؒ کے الفاظ میں اس دعا اور خواہش کے ساتھ عالمِ آخرت کو سدھارے:

جگر کا خون دے دے کے یہ بوٹے میں نے پالے ہیں
پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا

اسلام فروش کون؟

شیطان نے اپنی فتنہ پردازی اور دسیسہ کاری کے گوناگوں اور بوقلموں جال بچھائے اور اپنے مکر و فریب اور دجل و تلبیس کی تکمیل میں، مختلف اندازوں اور طریقوں سے فرقِ باطلہ کو جنم دیا، کہیں تو برٹش گورنمنٹ جیسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو قادیانیت کی صورت میں بیساکھی فراہم کی، کہیں آقائے نامدار ﷺ کی تربیت یافتہ اور فیض یافتہ اسلام کی نمائندہ جماعت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت و ثقاہت کو ساقط کرنے کے لیے رفض و شیعیت اور تجدیدِ سبائیت کے فتنوں کو جنم دیا اور توحید و سنت کے انوار و تجلیات سے مسلمانوں کو دور رکھنے کے لیے خوشامدی، کاسہ لیس، حاشیہ بردار،

ٹوڈی قسم کے مولویوں، اور پیرانِ پارسا کی ایسی فوج انگریز لعین کی آغوش میں تیار کی کہ جنھوں نے شرک و بدعت کی نجاست و غلاظت سے عوام الناس کے قلوب و اذہان کو ملوث کر دیا اور اپنے انگریز آقا کو خوش کرنے کے لیے داعیانِ توحید و سنت کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا۔

سرفروشانِ اسلام

آقائے نامدار، فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، حضرت محمد ﷺ کے اقوال وارشادات سے اعتماد اٹھانے کے لیے فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کی۔ دہریت، عیسائیت اور آریہ وغیرہ کے فتن اس سے مستزاد تھے لیکن فتنہ وفساد اور الحاد و زَندقہ کی ان آندھیوں اور طوفانوں میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور فرزندانِ نانوتوی رحمہ اللہ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے چراغ روشن کیے ہیں، اور ایسے مردانہ وار ان فتنوں کا مقابلہ کیا کہ ہر فتنے کی سرکوبی اور بیخ کنی کے لیے سردھڑ کی بازی سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس طرح فرزندانِ نانوتوی رحمہ اللہ کے حق کے مسلسل ہتھوڑوں سے ہر فتنہ کا سر پاش پاش ہو گیا:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے مناظروں کی تحریری دستاویزات اور بیش بہا تصانیف و تالیفات اور ان کے روحانی فرزندوں کی علمی اور قلمی خدمات اس قدر ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان ہستیوں نے خامہ فرسائی کی ہو اور اسلام کی قابلِ قدر خدمت کی جھلک نہ دکھائی ہو، تراجمِ قرآنِ مجید ہوں، تفاسیرِ قرآنِ مجید ہوں، صرف اور نحو کے علوم ہوں، منطق اور فلسفے کے علوم ہوں، ذخیرۂ احادیث کی شروح ہوں، فقہ اور اصولِ فقہ کے علوم ہوں، غرض یہ کہ علمی تحقیق کے ہر میدان میں اپنی مہارت و حذاقت کے پرچم لہرائے ہیں بلکہ ان کتابوں پر شروح و حواشی لکھ کر ہر اشکال اور ابہام و اغلاق کو دور کر کے تمام اہلِ علم اور اصحابِ تحقیق پر احسان کیا چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور فرزندانِ نانوتوی رحمہ اللہ کے علمی کارنامے دیکھ کر ہر مسلمان کا سر فخر و مباہات سے اونچا ہو جاتا ہے اور دارالعلوم دیوبند کا ہر عقیدت مند غیر کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اس کو للکار سکتا ہے کہ:

أُولَئِکَ آبائي فَجِئْني بِمِثْلِهِمْ　　　إِذَا جَمَعَتْنا يا جَرِيْرُ المَجَامِعُ

ہمارا درسِ نظامی

میرے دوستو! ہمارے درسِ نظامی میں دو قسم کے علوم و فنون کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے: مبادیات کے درجے میں اور مقاصد کے درجے میں۔ مقاصد کے درجے میں تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اور فقہِ اسلامی کی تعلیم ہے اور مبادیات میں پھر دو قسم کے علوم ہیں: صرف اور نحو، ادب اور معانی۔ یہ مبادیات ہیں جو إیصال إلی المطلوب و المقصود میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور علمِ منطق و فلسفہ وہ مبادیات ہیں جو یا تو تشحیذ اذہان کے لیے پڑھائے جاتے ہیں یا ان علوم کی راہ سے جو غیر اسلامی نظریات ہمارے علومِ اسلامیہ میں بھی سرایت کر گئے تھے، تو ان علوم کا دفعیہ اور ازالہ انھی علوم کے قواعد و ضوابط کی رو سے کرنا مقصود تھا۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ بعض نام نہاد اسلامی درس گاہوں میں اسی منطق و فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت و اذاعت کو ہی اسلام کی خدمت سمجھ لیا گیا تھا اور سارا زور مقصود سے بے گانہ ان علوم پر لگایا جاتا تھا اور ان درسگاہوں میں قرآن و حدیث و فقہِ اسلامی کی تعلیم آٹے میں نمک کی نسبت بھی نہ رکھتی تھی۔

بحر العلوم حضرت نانوتوی رحمہ اللہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ صرف ان علوم کے ماہر و حاذق ہی نہیں تھے بلکہ وہ ان علوم کے بہترین نقاد ہونے کے باوجود ان کی کمزوریوں اور کثافتوں کے عظیم تریاق بھی تھے بلکہ میں اگر یوں کہہ دوں تو بے جا نہ ہو گا کہ اگر بو علی سینا بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی منطق کو دیکھتا تو سر دھنے بغیر نہ رہ سکتا، ان کے سامنے ارسطو و افلاطون کی ذہانت بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ بعض مناطقہ و فلاسفہ کے غلو سے جو غیر اسلامی نظریات مسلمانوں میں رواج پکڑ رہے تھے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ہر باطل اور غیر اسلامی نظریے کو عقلی و نقلی دلائل و براہین میں لا کر اور منطقیانہ و فلسفیانہ بحث و تمحیص سے انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے چنانچہ فلاسفہ کے ان خیالاتِ ضعیفہ و سخیفہ پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو علمی وار کیے ہیں، وہ ان کا ہی حصہ ہے، وہ نظریاتِ واہیہ یہ ہیں: ہیولیٰ، صورتِ جسمیہ اور صورتِ نوعیہ، یہ سب قدیم ہیں:

أن الفَلَکَ لاَ یُقبَلُ الخَرقُ و الالتیام الواحد لا یُصدِر عنه إلا الواحد

باقیاتِ صالحاتِ شیخ نانوتوی رحمہ اللہ

عقولِ عشرہ اور عقلِ فعال کی اصطلاح میں صفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہیں اور لاعینَ و لاغیرَ جیسے ادق سے ادق مسائل کو مثالوں سے واضح فرمایا ہے کہ ایک نظری چیز کو بھی بدیہی بنادیا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنی اس دقت نگاہی کے وارث بھی چھوڑ گئے، چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے علمی نوادرات و تحریرات اسی نانوتوی مزاج و مزاق کے مظہرِ اتم ہیں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ را

عربی کا مشہور جملہ ہے الوَلَدُ سِرٌّ لأبیہ اگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے تبحرِ علمی کی جھلک دیکھنی ہو تو ان کے روحانی فرزند خاتم المحدثین علامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا علو مقام ملحوظِ خاطر رکھیے۔

خاتم المحدثین شیخ کشمیری رحمہ اللہ

حضرت مولانا سراج احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے کیا کہنے کہ یہ تو بخاری اور دوسری کتبِ احادیث کے تدریسی فن میں اس طرز کے موجد ہیں اور ان کا منفرد اور یگانہ انداز آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گا۔ حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ صرف منقولات میں ہی اپنی مثال آپ نہیں تھے بلکہ میدانِ علم کے ہر شعبے میں وہ ایک ماہر اور کامل شیخ و استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔

علمِ نحو کا ایک مشکل مقام

چنانچہ مفعول معہ کے بارے میں متن متین اور رضی وغیرہ جیسے بڑے بڑے مشاہیرِ نحاۃ یہ لکھ چکے ہیں کہ مفعول معہ کا ان کو ثبوت نہیں ملتا لیکن حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اٹھ کر واؤ عاطفہ اور واؤ مفعول معہ کا واضح فرق پیش کر کے تمام دنیائے نحو کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور آپ نے اس آیت میں ﴿قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (سورۃ المائدہ:۱۷) مفعول معہ کے وجود و ثبوت کو ایسا نکھار کے بتا

دیا کہ کوئی شخص داد دیے بغیر نہ رہ سکا، اگر وقت ہوتا تو تفصیل عرض کرتا۔

میدانِ جنگ میں

چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ایک درس گاہ کے محض بانی اور معلم و مدرس ہی نہ تھے، بلکہ آپ امام المجاہدین حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی ڈگر پر چلنے والے ایک مجاہد بھی تھے، چنانچہ شاملی کا میدان ان کے عملی جہاد پر شاہدِ عدل ہے، انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے اور وطنِ عزیز کو ان سامراجیوں سے پاک کرنے کے لیے میدانِ کارزار میں مجاہدین کا جو ہراول دستہ نظر آتا ہے، وہ فرزندانِ نانوتوی پر مشتمل ہے، اور وہ کونسی اذیت اور مصیبت ہے، جوان مجاہدین نے آزادی کی خاطر انگریزوں کے ہاتھوں نہیں اٹھائی اور برصغیر کے قید خانے ان مجاہدین کے صبر و استقلال کے گواہ ہیں۔ مالٹا کا قید خانہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور مولانا محمد عزیز گل کے دورِ اسارت کی زندہ یادگار ہے:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خلاصہ

آخر میں اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا دوبارہ اعتراف کرتے ہوئے بطورِ اعتذار اس شعر پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ذکرِ خیر کو ختم کرتا ہوں:

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گل چیں بہارِ توز داماں گلہ دارد

(خطباتِ شیخ القرآن، جلد اول؛ بخاری اکیڈمی، فیصل آباد)

* * * * *

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

دورانِ حج مکہ میں نمازِ قصر

سوال: ہم ابھی مکے میں ہیں اور اتوار کو منیٰ روانگی ہے۔ یہ مکے میں پانچ دن بن گئے ہیں۔ عرفات سے واپسی کے بعد ہم مکے میں مزید پندرہ دن سے زیادہ قیام کریں گے۔ کیا ہمیں ابھی نمازِ قصر اور حج کے بعد مکمل نماز پڑھنی ہوگی؟

جواب: حج کے دوران آدمی مقیم اس وقت شمار ہوگا جب آٹھ ذی الحجہ سے پہلے تک پندرہ دن مکہ میں قیام کر چکا ہو۔ اگر آٹھ ذی الحجہ سے پہلے پندرہ روز قیام نہیں ہوا تو حج کے دوران منیٰ و عرفات وغیرہ میں قصر کیا جائے گا۔ لہٰذا آپ پر حج سے قبل نماز کو قصر کرنا لازمی ہے، اسی طرح منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی نماز قصر ہی لازمی ہے، البتہ حج کے بعد چوں کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ہے، لہٰذا اُس وقت مکمل نماز پڑھنا لازمی ہے۔

ولو نوى الإقامة خمسة عشر يوما في موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما وإن كان أحدهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيما (الفتاوي الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

* * * * *

سلیمؔ احمد (۱۹۲۷ء-۱۹۸۳ء)

معروف نقاد اور شاعر

مشرق ہار گیا ہے!

ایک معرکہ آرا نظم، جس میں مغرب کی فکری برتری پر غم اور نفرت کا اظہار بھی ہے اور مشرقی نفسیات کا بیان بھی۔ ایک ایسی نظم جس میں مغربی فکر کے غلبے کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی جذباتی دعوت بھی ہے اور کمال کی ادبی چاشنی بھی۔

کپلنگؔ نے کہا تھا:

"مشرق مشرق ہے
اور مغرب مغرب ہے
اور دونوں کا ملنا ناممکن ہے"
لیکن مغرب مشرق کے گھر آنگن میں آپہونچا ہے
میرا نوکر بی بی سی سے خبریں سنتا ہے
میں بیدلؔ اور حافظؔ کے بجائے
شیکسپیئرؔ اور رلکےؔ کی باتیں کرتا ہوں
اخباروں میں
مغرب کے چکلوں کی خبریں اور تصویریں چھپتی ہیں
مجھ کو چگی داڑھی والے اکبرؔ کی کھسیانی ہنسی پر

.....رحم آتا ہے

اقبال کی باتیں (گستاخی ہوتی ہے)

مجذوب کی بڑ ہیں

وارثؔ شاہ اور بلھےؔ شاہ اور بابا فریدؔ؟

چلیے جانے دیجے ان باتوں میں کیا رکھا ہے

مشرق ہار گیا ہے!

یہ بکسرؔ اور پلاسیؔ کی ہار نہیں ہے

ٹیپوؔ اور جھانسی کی رانی کی ہار نہیں ہے

سن ستاون کی جنگِ آزادی کی ہار نہیں ہے

ایسی ہار تو جیتی جا سکتی ہے (شاید ہم نے جیت بھی لی ہے)

لیکن مشرق اپنی روح کے اندر ہار گیا ہے

قبلہ خان تم ہار گئے ہو!

اور تمھارے ٹکڑوں پر پلنے والا لالچی مار کوپولوؔ

.....جیت گیا ہے

اکبرِ اعظم! تم کو مغرب کی جس عیارہ نے تحفے بھیجے تھے

اور بڑا بھائی لکھا تھا

اس کے کتے بھی ان لوگوں سے افضل ہیں

جو تمھیں مہابلی اور ظل اللہ کہا کرتے تھے

مشرق کیا تھا؟
جسم سے اوپر اٹھنے کی اک خواہش تھی
شہوت اور جبلت کی تاریکی میں
اک دیا جلانے کی کوشش تھی!
میں سوچ رہا ہوں، سورج مشرق سے نکلا تھا
(مشرق سے جانے کتنے سورج نکلے تھے)
لیکن مغرب ہر سورج کو نگل گیا ہے

”میں ہار گیا ہوں“
میں نے اپنے گھر کی دیواروں پر لکھا ہے
”میں ہار گیا ہوں“
میں نے اپنے آئینے پر کالک مل دی ہے
اور تصویروں پر تھوکا ہے
ہارنے والے چہرے ایسے ہوتے ہیں
میری روح کے اندر اک ایسا گہرا زخم لگا ہے
جس کے بھرنے کے لیے صدیاں بھی ناکافی ہیں
میں اپنے بچے اور کتے دونوں کو ٹیپو کہتا ہوں

مجھ سے میرا سب کچھ لے لو

اور مجھے اک نفرت دے دو

مجھ سے میرا سب کچھ لے لو

اور مجھے اک غصہ دے دو

ایسی نفرت ایسا غصہ

جس کی آگ میں سب جل جائیں

۔۔۔۔۔میں بھی!!

*****